ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
اگست ۲۰۱۷ء

اشاعت کا ۶۵ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۸ | جلد ۶۵ | اگست ۲۰۱۷ عیسوی

ذیقعد ۱۴۳۸ ہجری

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004
ایکسٹینشن — (052 یا 066)
ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755
ای میل — hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdard.com.pk
ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info
فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰ امریکی ڈالر

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

انسان کو سب سے زیادہ جو چیز نقصان پہنچاتی ہے، وہ ہے لالچ۔ لالچ انسان کو خوش ہونے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے نہیں دیتا۔ اس کو جو کچھ بھی میسر ہوتا ہے، وہ اس سے مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کچھ اور حاصل کرے۔ یہ فکر اس کو خوش ہونے نہیں دیتی۔ لالچی اور حریص آدمی ہمیشہ اس غم میں گھلا جاتا ہے کہ اسے یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا۔ فلاں کے پاس یہ ہے، میرے پاس یہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بُری باتوں میں انسان کو سب سے زیادہ جلانے، کُڑھانے والی بُرائی حرص ہے۔''

آج ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان پر غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہم اس عیب میں بُری طرح مبتلا ہیں۔ اس بُرائی نے ہماری زندگی سے سکون چھین لیا ہے۔ رشوت، چوری، ڈاکے، لوٹ مار، اغوا، یہ سب اسی لالچ کا نتیجہ ہے۔ لالچ میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر غلط کام کو اپنے لیے جائز سمجھنے لگتا ہے۔ قناعت کی خوبی اس سے چھن جاتی ہے۔ لالچی آدمی عقل سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ بھی میسر ہے، اس سے خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس کو کم از کم اتنا تو میسر ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں، جن کے پاس اتنا بھی نہیں ہے۔ لالچی آدمی کا ایمان بھی کم زور ہو جاتا ہے۔ اللہ کے پیارے رسولؐ کا یہ فرمان ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے: ''ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔''

حرص اصل میں ایک عذاب ہے۔ حریص آدمی کے کاموں سے دنیا تو پریشان ہوتی ہی ہے، وہ خود بھی آرام سے نہیں رہ پاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لالچ سے محفوظ رکھے۔

(ہمدرد نونہال جولائی ۱۹۹۱ء سے لیا گیا)
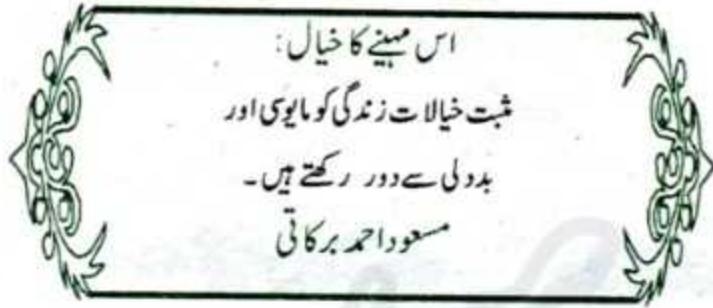
پہلی بات

سلیم فرخی

اس مہینے کا خیال:
مثبت خیالات زندگی کو مایوسی اور
بددلی سے دور رکھتے ہیں۔
مسعود احمد برکاتی

ابھی خاص نمبر کی تھکن پوری طرح نہیں اُتری تھی کہ اگست کے شمارے کی مہم درپیش تھی۔ وقت کم تھا اور کام بے تحاشا۔ اللہ نے مدد کی، اس میں بھی سرخ رُو ہوئے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود اس شمارے میں بھی ان شاء اللہ آپ کو کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔

خاص نمبر کیسا لگا؟ اچھا یا بُرا جیسا بھی لگا ہو، ہمیں بتائیں، تاکہ آیندہ آپ سب کی پسند کو سامنے رکھا جائے اور کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے پُر کیا جا سکے۔

اسکول بھی کھل گئے ہیں۔ تن دہی اور یک سوئی سے علم حاصل کریں۔ بڑے اور نام ور لوگوں کی سوانح بھی پڑھیں۔ قائداعظم نے بھی ملک حاصل کرنے سے پہلے علم حاصل کیا تھا۔ علم سے شعور پیدا ہوا۔ شعور نے جستجو پر اُکسایا۔ مسلمانوں کی حالت سنوارنے کا خیال آیا تو اس کے لیے جدوجہد کی اور آخر مسلمان قوم کے لیے ایک علاحدہ وطن حاصل کر لیا۔ افسوس کہ وہ زیادہ دن ہمارے درمیان نہ رہ پائے۔ اس کے بعد ان کے مخلص ساتھی قائد ملت لیاقت علی خاں بھی زیادہ عرصے ہماری رہنمائی نہ کر سکے۔

بہت سے نونہال معلومات افزا کے سوالات مشکل ہونے کی شکایت کرتے ہیں، جب کہ بہت سے نونہال مشکل سوالات سے خوش ہوتے ہیں۔ ایسے نونہالوں میں جوش، جذبہ، جدوجہد اور مقابلے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ان میں سب سے آگے رہنے کی تمنا ہوتی ہے۔ آسان سوالوں سے انھیں مایوسی ہوتی ہے کہ یہ سب تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے۔ نونہالوں کی مزید سہولت کے لیے اس بار ۱۶ کے بجائے ۱۲ سوالات پوچھے جا رہے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ نونہال حصہ لے سکیں۔ ہم ہر سوال کے تین اشارے بھی دیتے ہیں۔ آپ ایک سراغ رساں بن جائیے، جو اپنی حاضر دماغی کی بدولت ایک معمولی اشارے سے معاملے کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس طرح جسمانی صحت کے لیے جسمانی ورزش کی جاتی ہے، اسی طرح ذہنی صحت کے لیے ذہنی ورزش بھی کرنی چاہیے۔ معلومات افزا ایک طرح سے ذہنی ورزش ہے، اس سے بھی فائدہ اُٹھائیے۔

نونہال اپنے کوپن یا کوئی بھی تحریر بھیجنے کے لیے کم از کم کاپی سائز کا کاغذ استعمال کیا کریں اور دونوں کوپن الگ الگ کاغذ پر چسپاں کریں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھا کریں۔ ☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دعا عبادت کا مغز ہے۔

مرسلہ : شازیہ ہاشم میواتی، قصور

حضرت ابوذر غفاریؓ

انسانوں سے محبت کرنا، دراصل اللہ سے محبت کرنا ہے۔

مرسلہ : عنایت اللہ، سکھر

بابا فرید شکر گنجؒ

ایمان کے بغیر عبادت فضول ہے اور عمل کے بغیر علم بے کار ہے۔ مرسلہ : ماہ نور طاہر، ایف سی ایریا

شہید حکیم محمد سعید

ایک مومن جلال و جمال کا نہایت حسین امتزاج ہوا کرتا ہے۔ مرسلہ : محمد وقاص الحسن، حویلی لکھا

عبدالستار ایدھی

انسانیت ایک بہت بڑا خزانہ ہے، اسے لباس میں نہیں، انسان میں تلاش کرو۔

مرسلہ : حافظ وقاص رؤف، صادق آباد

واصف علی واصف

دولت، رُتبہ اور اختیار ملنے سے انسان بدلتا نہیں، بلکہ اس کا اصلی چہرہ سامنے آ جاتا ہے۔

مرسلہ : نورنزہت، پنڈ دادن خان

تاؤ

سب سے بہترین جنگجو وہ ہے جو کبھی غصہ نہ کرے۔

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

گلیلیو

دنیا کا کوئی شخص بے کار نہیں، ہر شخص سے کچھ نہ کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

مرسلہ : عبدالرحمن بن عبدالرؤف قریشی، ملیر

جوزف اسٹالن

مصنف اپنی سوچ کا مصور ہوتا ہے۔

مرسلہ : پرویز حسین، کراچی

ہنری فورڈ

کامیابی کا سب سے بڑا راز ہر صورتِ حال کے لیے تیار رہنا ہے۔ مرسلہ: تحریم محمد ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

نعت شریفؐ

ریاض حسین قمر

ان کو ہوئی ہے دولتِ ایمان کیا کہیے
غلامانِ محمدؐ مصطفٰے کی شان کیا کہیے

کسی نے بھی نہ انسانوں میں ایسا مرتبہ پایا
سرِ عرشِ معلّٰی آپؐ ہیں مہمان کیا کہیے

خدا نے آپؐ کی توصیف کا ساماں کیا ایسے
اُتارا آپؐ کی تعریف میں قرآن کیا کہیے

ترے دربار سے آقا کوئی خالی نہیں جاتا
مجھے جاری تا قیامت آپ کا فیضان کیا کہیے

گھری تھی کفر کی تاریکیوں میں نوعِ انسانی
خدائے پاک کی سب کو ہوئی پہچان کیا کہیے

مرے آقا شفیع المذنبیں بن کو جو آئے ہیں
گناہ گاروں کی بخشش کا ہوا سامان کیا کہیے

کرم ہے آپؐ کا خدا کی مہربانی ہے
بنایا ہے قمر کو صاحبِ ایمان کیا کہیے

جھنگ کی چڑیا

محمود شام

یہ کہانی ہے، پاکستان کے ایک بہت پرانے شہر جھنگ کی۔

جھنگ کا نام لیں تو ہیر رانجھا کی جوڑی یاد آتی ہے۔ ہیر کی کہانی نامور شاعروں نے اور ادیبوں نے لکھی، لیکن مشہور ہوئی ہیر وارث شاہ کی، جو پنجاب کے بہت سے شہروں اور دیہات میں چاندنی راتوں میں گائی جاتی ہے۔ گرمیاں ہوں تو کھلے آسمان تلے۔ ہاتھ میں پنکھے لیے۔ سردیاں ہوں تو الاؤ کے گرد۔ آپ پوچھوگے، الاؤ کیا ہوتا ہے۔ درمیان میں لکڑیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر جلا دی جاتی ہیں۔ ارد گرد لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ ویسے تو بہت سے خالی کھیس لپیٹ کر بیٹھتے ہیں۔ کچھ گرم چادریں لے آتے ہیں، لیکن الاؤ کا تو اپنا ہی لطف ہے۔

ارے دیکھیں! ہم کہانی سناتے سناتے کہاں ہیر رانجھے کی طرف نکل گئے۔ ان دونوں کا مزار بھی جھنگ میں ہے۔ اس مزار کی چھت نہیں ہے۔ سینکڑوں برس سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ بارش کتنے زور کی ہو، اس کے قطرے مزار پر نہیں گرتے۔

چلیں، اب آتے ہیں کہانی کی طرف۔

ایک گلی تھی۔ پکی اینٹوں کی بنی ہوئی۔ اس پر جب تانگے چلتے تھے تو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر گھروں میں بیٹھے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ کسی گھر میں کوئی مہمان آ رہے ہیں۔ شادیوں کا موسم ہوتا تو سب جان لیتے کہ کسی دوسرے شہر سے کسی کے رشتے دار آئے ہیں، لیکن یہ تو کسی کے مرنے پر بھی ہوتا تھا۔ اس وقت انسان ان چیزوں کا بہت خیال رکھتے

تھے۔ غمی اور خوشی، آپس میں بانٹتے تھے۔

مگر ہماری کہانی غمی کی ہے نہ خوشی کی۔ یہ تو ایک چڑیا کی کہانی ہے۔

جس گلی کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس گلی میں ایک گھر تھا۔ دوسرے گھروں کے مقابلے میں اس کی انفرادیت اور پہچان یہ تھی کہ اس میں ایک بیری کا درخت تھا، جس کی شاخیں گھر سے باہر گلی میں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ جب بیر پک جاتے۔ گلی سے گزرتے بچے، جن میں اسکول آتے جاتے بچے بھی ہوتے تھے۔ وہ بچے بھی جنھیں ان کے ماں باپ اسکول نہیں بھیج سکتے تھے وہ بھی۔ آتے جاتے پتھر مارتے، بیر گرتے تو اپنی جیب میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے۔

بیری کی شاخوں پر چڑیاں تو اور بھی بیٹھتی تھیں۔ گھر کے لوگ بتاتے ہیں کہ چڑیوں کی چہچہاہٹ ان کو صبح صبح جگا بھی دیتی تھی۔ ان کی آوازیں کانوں کو بہت بھلی لگتی ہیں۔ گھر میں مرغیاں اور مرغ بھی تھے۔ مرغ صبح صبح اذان بھی دیتے تھے، لیکن ان کی آنکھ چڑیوں کی چہچہاہٹ سے ہی کھلتی ہے۔

ہم جس چڑیا کی بات کر رہے ہیں، اس کے پَروں کا رنگ دوسری چڑیوں سے ہٹ کر تھا۔ اس کی چہچہاہٹ بھی کچھ الگ تھی۔

آپ یہ جاننا چاہ رہے ہیں کہ گھر میں کون کون تھا۔

یہ بات بھی ہم چڑیا کی زبانی ہی سنتے ہیں۔

میں اس گھر سے بہت دور کہیں کھیتوں میں برگد کے ایک درخت پر رہتی تھی۔ میرے ابا، اماں بھی ادھر ہی تھے۔ یہاں کبھی گندم کی فصل پکتی، کبھی باجرے کی۔ بہت مزہ

آ تا تھا۔ میری ماں کچھ دانا دُنکا لے کر آتی، جو اپنی چونچ سے میری چونچ میں ڈالتی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی کہ آرام سے کھاؤ۔ جلدی مت کرنا۔ دانے بہت ہیں۔ کھیت کا مالک احمد دین ہے۔ وہ ہمیں تنگ نہیں کرتا۔ تالیاں بجا کر اُڑاتا نہیں ہے۔

میں کچھ بڑی ہوئی تو دور دور تک اُڑ کر جاتی۔ ماں منع بھی کرتی کہ زیادہ دور نہیں جانا اور سورج کا رنگ جب زرد پڑنے لگے تو واپس اس پرانے برگد کے درخت پر آ جانا۔

کرنا خدا کا یہ ہوا کہ کھیت کے مالک کا بیٹا پڑھ لکھ کر دور کسی بڑے شہر سے واپس آ گیا۔ ایک بڑی سی غلیل لے کر وہ ایک کھیت سے دوسرے کھیت جاتا۔ درختوں پر بیٹھے پرندوں کا نشانہ بناتا۔

ایک روز اس کے کئی دوست بھی آ گئے اور ان کی آپس میں یہ شرط لگ گئی کہ اس چڑیا کو نشانہ بنانا ہے۔ ان کا اشارہ میری ماں کی طرف تھا۔

میرے والد بھی یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے میری ماں سے کہا کہ وہ بڑے پتوں کے پیچھے چھپ جائے۔ اتنی دیر میں کھیت کے مالک کے بیٹے کے ایک دوست نے میرے والد کو دیکھ لیا۔ ارے! میں کھیت کے مالک کے بیٹے کا نام تو بتانا بھول گئی۔ اس کے بیٹے کا نام ارسلان تھا۔ اس کے دوست کا نام تھا پرویز۔ یہ گوجرانوالہ سے آیا تھا۔ ارسلان اور پرویز لاہور میں کسی کالج میں اِکٹھا پڑھتے تھے۔ ہمارے دادا، دادی ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ گوجرانوالہ کے نوجوانوں سے بچ کر رہنا۔ ان کو چڑے کھانے کا شوق ہوتا ہے۔ میں تو سہم گئی تھی۔ یہ برگد کا پیڑ بہت پرانا تھا۔ میرے ماں باپ نے اس پر بہت خوب صورت اور آرام دہ گھونسلے بنائے ہوئے تھے، لیکن جب آخری وقت آتا ہے تو گھونسلے کتنے آرام دہ

ہوں، خوب صورت ہوں۔ کام نہیں آتے۔ ہوا یہی کہ میں تو ڈر کر گھونسلے کے اندر جا کر بیٹھ گئی۔ اس میں ہم نے ایک کھڑکی بنا رکھی تھی۔ اس میں سے ہم جھانک کر دیکھتے رہتے تھے کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ بلیوں سے ہمیں خبردار رہنا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی چیلوں سے بھی۔ کوے زیادہ تنگ تو نہیں کرتے، لیکن بعض اوقات ان کا بھی چھیڑ چھاڑ کا موڈ ہوتا ہے۔

یہ بہت ہی بُرا دن تھا۔

ارسلان اور پرویز کے ارادے بہت خطرناک تھے۔ کھیت کا مالک احمد دین گندم کی بوریاں لے کر شہر کی غلہ منڈی میں پہنچانے گیا ہوا تھا۔ زمیندارنی حویلی میں آرام کر رہی تھی۔ وہ آرام کے علاوہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ بیٹا پڑھ لکھ گیا۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھر کی ہو گئی تھیں۔ نوکر چاکر بھی تھے۔

وہ بہت ہی بھیانک منظر تھا۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ارسلان نے غلیل کی ربڑ کھینچنا شروع کی۔ پرویز نے بھی۔ میں چلائی۔ ابا، امی دونوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی۔ اِدھر میں چیخی، اُدھر غلیلوں نے پتھر داغ دیے۔

میں یہ دن کیسے بھولوں گی۔ میرے دیکھتے دیکھتے ابو میری امی دونوں شاخ سے لڑھک گئے۔

ارسلان اور پرویز دامن پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔ ابو پرویز کی جھولی میں، اماں ارسلان کی۔ دونوں نے غلیلیں نیچے پھینک دی تھیں۔

میں نے دیکھا کہ دونوں نے جیب سے چاقو نکالے اور میرے ابو، امی کے گلوں پر پھیر دیے۔ سنا ہے کہ مسلمان چاقو چلانے سے پہلے اللہ اکبر پڑھتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس وقت اذان کی آواز بھی بلند ہوئی۔ وہ دونوں یعنی ارسلان اور پرویز ہنستے مسکراتے چل دیے۔

اب وہ گھونسلا، میرا آبائی گھر مجھے پنجرہ یعنی قید خانہ لگنے لگا۔ میرا دل کہنے لگا کہ اب یہ جگہ رہنے کے لائق نہیں رہی۔ دوسری چڑیوں نے مجھے بہت سمجھایا کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ یہ شہروں میں پڑھ کر آنے والے نوجوان اپنے بزرگوں کی طرح سمجھ دار اور رحم دل نہیں ہوتے، لیکن ہم تو برسوں سے یہاں رہتے آرہے ہیں۔ کھانے کو بہت دانے مل جاتے ہیں۔ آزادی بھی ہے، مگر میرا دل نہیں مانا۔ میں وہاں سے اُڑی اور سوچا کہ سورج جہاں بھی ڈوبنے والا ہوگا، میں وہاں آس پاس کوئی پیڑ دیکھ کر ٹھکانا بنالوں گی۔

میں وہاں سے نکلی تو ایک توتا بھی اسی رُخ پر جارہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جانا ہے؟

میں نے کہا کہ میں تو اس گاؤں سے کہیں دور جانا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنی دکھ بھری کہانی بھی سنادی۔ سن کر توتے کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ہوا بھی اُداس ہوگئی۔ توتے نے کہا، میرے ساتھ چلو۔ ایک گھر میں بیری کا درخت ہے۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ دن بھر اِدھر اُدھر اُڑ کر کچھ دانے جمع کرلیتا ہوں، وہاں سکون سے بیٹھ کر کھالیتا ہوں۔

''وہاں غلیل والے تو نہیں آتے؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

نہیں، کبھی نہیں، بلکہ یہ گھر والے تو اتنے مہربان ہیں کہ ہمارے لیے ایک برتن میں ہر صبح پینے کے لیے پانی رکھ دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی کچھ جوار اور باجرہ!

''تم پھر اِدھر اُدھر کیوں اُڑتے ہو؟'' میں نے اس کی طرف منھ موڑ کر سوال کیا۔

''بات یہ ہے کہ ان دونوں برتنوں پر چڑیوں کے جھمگٹے لگے رہتے ہیں۔ میں ان کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔ پھر اللہ نے پر دیے ہیں۔ کھلی فضائیں ہیں، بہت مزہ آتا ہے۔'' وہ میری طرف دیکھے بغیر جواب دے رہا تھا۔

کھیت ختم ہو رہے تھے، گھروں کی چھتیں دکھائی دینے لگیں۔ انسان گلیوں میں بڑی تعداد میں گھوم رہے تھے۔

توتا مجھے اس گھر میں لے آیا۔ یہاں میری چڑیا بہنیں اور چڑے بھائی بہت خوش ہوئے۔ میرے پروں کا رنگ دیکھ کر وہ ذرا گھبرائے تھے، لیکن جب دو تین دن میں ان کے ساتھ اٹھی بیٹھی تو وہ مجھے اپنا جاننے لگے۔

آپ نے پوچھا تھا، اس گھر میں کون کون تھا۔

معاف کیجیے، میں اپنی کہانی میں کھوگئی۔ ایک تو تھے اس خاندان کے سربراہ، بڑے صاحب۔ ایک ان کی بیوی، انھیں سب بی بی کہتے تھے۔ ان دونوں کے بیٹے، بیٹیاں، سب ہی بھلے لوگ ہیں۔

پرانی چڑیاں کہتی ہیں، اس گھر میں برتن بہت ہیں۔ آٹھ دس دن بعد برتن بدل دیے جاتے ہیں۔ دوسرے برتن اچھی طرح دھوکر لائے جاتے ہیں۔

ہمارے لیے پانی اور جوار باجرا زیادہ تر بی بی رکھتی ہیں۔ کبھی کبھار وہ بڑی بیٹی سے کہہ دیتی ہیں تو وہ ہمارے ناشتے کا انتظام کردیتی ہیں۔

ہم کبھی کبھی آنگن میں پُھدکتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی بُرا نہیں مانتا۔ جی چاہتا ہے تو ہم ان کے کمروں میں بھی چکّر لگالیتے ہیں۔ ایسے ہی موڈ بنتا ہے کہ دیکھیں،

اندر کیا کیا رکھا ہوا ہے۔ کیسے بستر ہیں۔ کپڑے کہاں لٹکتے ہیں۔ کتابیں کہاں سجائی ہوئی ہیں۔

ساتھ ہی مسجد ہے، جہاں سے پانچ وقت اذان بلند ہوتی ہے تو بڑے صاحب اور ان کے بیٹے نماز کے لیے چلے جاتے ہیں۔ بی بی بھی وضو کر کے جا نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگتی ہیں۔ میں پہلے تو دور دور سے دیکھتی تھی۔ اب میں قریب جا کر گھاس پر بیٹھ جاتی ہوں۔ یہ میرے خیال میں ظہر کی نماز کہلاتی ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن پاک رحل میں رکھ کر پڑھتی ہیں آہستہ آہستہ۔ مجھے یہ آواز بہت ہی اچھی لگتی ہے۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔ یہ بیری کا درخت بہت پُرسکون ہے۔ گرمیوں میں یہ سونڈیاں بہت تنگ کرتی ہیں۔ ہمیں بھی اور گھر والوں کو بھی۔ جب ہم ان سونڈیوں کو چونچ سے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں، تو گھر والے بہت خوش ہوتے ہیں۔

آپ سن بھی رہے ہیں یا سو گئے ہیں۔ ☆

لکھنے والے نونہالوں کو مشورہ

نونہال کہانی، مضمون وغیرہ جب اشاعت کے لیے بھیجیں تو ایک نقل (فوٹو کاپی) اپنے پاس ضرور رکھا کریں۔ جب آپ کی بھیجی ہوئی تحریر شائع ہو جائے تو دونوں کو ملا کر دیکھیں کہ کہاں کہاں تبدیلی کی گئی ہے۔ کس جملے کو کس طرح درست کیا گیا ہے۔ کون سا پیراگراف کاٹا گیا ہے اور نیا پیرا کہاں سے شروع کیا گیا ہے۔ تحریر کا عنوان بدلا گیا ہے یا نہیں اور اگر بدلا گیا ہے تو کیا یہ پوری تحریر کا احاطہ کر رہا ہے یا نہیں۔ ایسا کرنے سے آپ بہت جلد اچھا لکھنے لگیں گے۔ تحریر لکھ کر اس کے نیچے اپنا پتا ضرور لکھ دیں، ورنہ تحریر ضائع ہو جائے گی۔ طویل تحریر نہ لکھیں۔ ☆

سنہرا تِل

انیسہ محمود میر

انھوں نے اچانک گاڑی کو بریک لگائے، لیکن سامنے آنے والا نوجوان گاڑی سے ٹکرا گیا، حنان راشد نے دیکھا، وہ ایک بہت خوش شکل لڑکا تھا۔ وہ اسے فوراً قریبی اسپتال لے گئے۔ وہاں انھیں پتا چلا کہ لڑکے کا خون بہت بہ چکا ہے اور فوری طور پر خون کی ضرورت ہے۔ اسپتال میں اس گروپ کا خون میسر نہیں تھا۔ انھوں نے اپنا خون چیک کروایا تو بالکل وہی گروپ تھا۔ خون کی ایک بوتل دے کر وہ پُرسکون ہو گئے، کیوں کہ اب لڑکے کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

حنان راشد کا شمار شہر کے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کے پاس دنیا کی ہر نعمت تھی۔ انھیں صرف ایک بیٹے کی آرزو تھی۔ ان کی اتنی بڑی جائداد کا وارث کوئی نہیں تھا۔ یہ سوچ سوچ کر وہ اکثر پریشان رہتے تھے۔

دوسرے دن لڑکے کو ہوش آ گیا تو حنان راشد اس سے ملنے گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر سیدھی بیڈ پر پڑی، جہاں وہ پندرہ سولہ سال کا خوش شکل لڑکا آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ اس کا ماتھا اور بازو پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ انھیں افسوس ہوا کہ ان کی وجہ سے اس معصوم لڑکے کی یہ حالت ہو گئی، لڑکے نے آنکھیں کھولیں اور انھیں دیکھ کر اُٹھ بیٹھا۔

''السلام وعلیکم!'' حنان کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''وعلیکم السلام!'' وہ انھیں غور سے دیکھنے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے بیٹے! اب تمھاری؟''

''جی، پہلے سے بہتر ہے۔''

''گڈ! تمھیں کچھ یاد ہے اپنے بارے میں؟'' وہ اس سے نہایت شفقت سے بات

کر رہے تھے۔

''جی ......اچھی طرح۔'' وہ ماضی میں کھوگیا۔

''خوب! تمھارا نام کیا ہے؟'' انھیں دلی خوشی ہوئی کہ لڑکے کی یادداشت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

''میرا نام سعد ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''کیا واقعی ...... میری بھی خواہش تھی کہ میں اپنے بیٹے کا نام سعد رکھوں گا۔ میرا بیٹا پیدائش کے فوراً بعد ہی اغوا ہوگیا تھا، لیکن ...... خیر، تمھارے والد کا نام کیا ہے؟''

''انکل! چکر آرہے ہیں۔'' اسے سب کچھ گھومتا ہوا نظر آیا۔ حنان ارشد نے فوراً ڈاکٹر کو بلالیا۔

ڈاکٹر نے اسے انجیکشن لگا دیا اور وہ نیند کی وادیوں میں کھوگیا۔

''ڈاکٹر! کیا ہوا؟ یہ ٹھیک تو ہے نا؟'' وہ پریشان ہوگئے تھے۔

''جی بالکل! آپ فکر مت کریں، بس بلڈ پریشر لو ہوگیا تھا ان کا۔ آپ آئیں، میں آپ کو کچھ دوائیں لکھ دیتا ہوں۔'' حنان راشد ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گئے، لیکن اپنا کارڈ وہیں سائڈ ٹیبل پر رکھ آئے تھے کہ ممکن ہے، وہ انھیں فون کرنا چاہے۔

......☆......☆......

رحمان کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس کا سارا خاندان قیامِ پاکستان کے دوران شہید ہوگیا تھا۔ تب وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اسے ایک آدمی نے پالا تھا، اکیلا رہتا تھا۔ وہ دونوں اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ اس مہربان آدمی کا انتقال ہوگیا۔ رحمان بہت غم زدہ ہوا، پھر اس نے سائیکلوں کی دکان کھول لی۔ آہستہ آہستہ ''رحمان سائیکل'' کے نام سے اس کی دکان ترقی کرتی گئی۔

ایک دن اس کے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی۔ وہ اسپتال سے پٹی کروا کے واپس آ ہی رہا تھا کہ اسے اسپتال کی کھڑکی میں ایک بچہ دکھائی دیا، اس نے دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے اور کھڑکی کے ساتھ ہی پڑے بیڈ پر بہت خوب صورت بچہ لیٹا ہوا ہے اور وہ زارو قطار رو رہا ہے۔ وہ فوراً ڈاکٹر کو بتانے کے لیے مڑا، لیکن اسی وقت شیطان نے اسے بہکا دیا۔ اس نے موقع دیکھ کر بچے کو اُٹھایا اور نہایت احتیاط سے اسے گھر لے آیا۔

رحمان نے اس بچے کا نام سعد رکھا۔

بچے کے غائب ہونے سے ڈاکٹر اور نرسیں کمرے میں پریشان بیٹھے تھے: ''اوہو! ہم انھیں کیسے بتائیں گے کہ ان کا بچہ اغوا ہوگیا ہے، وہ ہمیں مصیبت میں ڈال سکتے ہیں۔'' ایک نرس کی آواز آئی۔

ڈاکٹر نے کہا: ''نہیں، وہ نہایت سمجھ دار انسان ہیں۔ وہ صرف اغوا کی رپورٹ

درج کرائیں گے۔ ہم سے غفلت ضرور ہوئی ہے، اُمید ہے، وہ درگزر کر دیں گے۔''

دن، مہینے اور مہینے، برسوں میں بدلتے گئے۔ سعد رحمان اب پندرہ سال کا ہو گیا تھا۔ ایک دن رحمان کسی کام سے کہیں دور گیا ہوا تھا۔ سعد بور ہو رہا تھا۔ بہت دن پہلے وہ کسی رسالے میں بہت اچھی کہانی پڑھ رہا تھا، لیکن کسی وجہ سے وہ نامکمل رہ گئی تھی۔ آج اچانک اسے وہ کہانی یاد آئی تو الماری میں وہی رسالہ تلاش کرنے لگا۔ رسالہ تو نہیں ملا، البتہ ایک پرانی ڈائری اسے نظر آئی۔ سعد اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ وہ ڈائری رحمان کی تھی۔ سعد جیسے جیسے پڑھ رہا تھا، اس کا وجود لرز رہا تھا، پھر اس کے ہاتھ سے ڈائری چھوٹ گئی۔ وہ چپ چاپ باہر نکل گیا۔ روڈ پر بے دھیانی سے چلتے ہوئے اسے ایک تیز رفتار گاڑی اپنی طرف آتی دکھائی دی اور دوسرے لمحے اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

......☆......☆......

سعد نیند سے جاگا تو ڈاکٹر کو اپنے پاس کھڑے پایا۔ ڈاکٹر نے اس کا بلڈ پریشر چیک کیا اور پھر واپس چلا گیا۔ سعد اُٹھ کر بیٹھ گیا، پھر اس کی نظر میز پر پڑے کارڈ پر جا ٹھیری۔

''اوہ! لگتا ہے، انکل اپنا کارڈ یہیں بھول گئے۔'' اس کے منھ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے کارڈ اُٹھا لیا اور کارڈ پر لکھے ہوئے نام کو پڑھ کر وہ سکتے میں آ گیا۔

حنان راشد اپنی کچھ مصروفیات کے باعث اسپتال نہیں آ سکے تھے۔ ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کر دیا تو وہ اسے لینے آئے۔ سعد کمرے سے باہر نکلتے ہی سامنے کھڑے حنان سے لپٹ گیا اور پاپا، پاپا کہتے ہوئے رونے لگا۔

حنان راشد نے حیرانی سے اسے دیکھا تو اس کے منھ سے آواز نکلی: ''پاپا! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ میں اپنی جڑواں بہن کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ مجھے رحمان نام کا آدمی اُٹھا کر لے گیا تھا، پاپا اس طرح میں سعد رحمان بن گیا، لیکن ایک دن میں نے اس آدمی کی ڈائری میں آپ

کا نام اور پوری تفصیل پڑھی تو پتا چلا کہ میں تو سعد حنان ہوں۔ ڈائری میں اخبار کا ایک تراشہ بھی تھا، جس میں اغوا کی خبر کے ساتھ آپ کا نام لکھا تھا۔ آپ کی تلاش میں، میں گھر چھوڑ کر نکلا تو قدرت نے آپ ہی کی گاڑی سے ٹکرا دیا۔ پاپا! اگر یقین نہ آئے تو بے شک آپ اس آدمی سے پوچھ لیجیے گا، جس نے مجھے پالا ہے۔'' وہ آنسوؤں کی جھڑی میں سب بتا رہا تھا۔

حنان راشد نے سکتے کے عالم میں اس کا ہاتھ پکڑا تو چونک اُٹھے: ''نہیں بیٹا! اب یقین نہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ تمھارے ہاتھ کی پُشت پر وہی سنہرا تل ہے جو میرے ہاتھ میں بھی ہے۔'' انھوں نے اپنے ہاتھ کو سعد کے ہاتھ کی پُشت پر رکھتے ہوئے کہا: ''آج میں تمھاری امی کو بیٹے کا اور تمھاری بہن کو بھائی کا تحفہ دوں گا۔''

اگلے ہی لمحے وہ دونوں خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے لپٹ گئے۔ ☆

احسان مند

م۔ص ایمن

''یہ لو بیٹی! غبارہ لے لو۔'' بچی کو غبارہ دیتے ہوئے غبارے والے نے کہا۔

''نہیں بھائی! نہیں چاہیے۔'' بچی کی ماں نے جلدی سے اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کرلیا۔

''باجی! یہ غبارہ لے لیں، بچی مانگ رہی ہے۔''

''بچے ہر چیز مانگا کرتے ہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے اپنی بیٹی کو تیز چلنے کی تلقین کی اور واپسی کے لیے اپنی رفتار بڑھادی۔

ماں بیٹی اپنے خاندان کے دوسروں لوگوں سے آ کر مل گئے ۔ یہاں بھی غبارے والا پیچھے پیچھے آ گیا۔

''باجی! لے لیں ...... میری طرف سے لے لیں ...... میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔'' کہتے ہوئے غبارے والے نے ایک غبارہ بچی کو پکڑا دیا۔ ایک دوسری بچی کو اور پھر اس کے خاندان کے ساتھ جتنے بچے تھے ان سب کو ایک ایک غبارہ تھما تا گیا۔

ان بچوں کے ساتھ جو خواتین تھیں وہ حیران ہوتی رہیں۔

ایک بولی: ''یہ تم غبارے بیچنے آئے ہو یا بانٹنے؟''

''میں بیچنے ہی آیا ہوں۔ اگر بانٹنے ہوتے تو اپنے محلے میں ہی بانٹ دیتا، لیکن

آپ سے، آپ کے بچوں سے پیسے نہیں لوں گا۔'' غبارے والے کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ہی آنسو تیر گئے تھے۔ جانے کیسے آنسو تھے؟

خواتین جو ویسے ہی نرم دل ہوتی ہیں، اجنبی شخص کو آبدیدہ دیکھ کر بے حد متاثر ہوگئیں۔ غبارے والا آنکھیں پونچھتا ایک جانب چل دیا۔ خواتین حیران تو تھیں ہی، پریشان بھی ہوگئیں۔

شائستہ کے گھر مہمان آئے ہوئے تھے۔ ان سب کا پروگرام بن گیا کہ آج شہر کے بڑے پارک میں چلتے ہیں۔ سرِ شام ہی تمام افراد گھر سے نکل پڑے تھے۔

پارک میں داخل ہوئے ہی تھے کہ یہ غبارے والا یوں مل گیا جیسے ان کا بچھڑا ہوا رشتے دار ہو۔ ان کے ساتھ جتنے بچے تھے، ان سب کو اس نے مفت میں غبارے دے دیے تھے۔ پہلے پہل تو انھیں خدشہ ہوا کہ کہیں ہمارے بچے کو بہلا پھسلا کر اغوا نہ کر لے، لیکن اس کا جذباتی ردِ عمل دیکھ کر انھیں یہ خیال رد کرنا پڑ گیا۔

وہ سب پارک کا ایک گوشہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گئیں۔ کچھ بچوں کو پانی، کچھ کو جوس پلانے لگیں۔ کسی نے ساتھ لائے ہوئے نمکو وغیرہ نکال کر سب بچوں میں تقسیم کیے، تاکہ ان کا منھ چلتا رہے اور پارک سے کوئی چیز خریدنے کی ضد نہ کریں۔ ان کے ساتھ مختلف عمروں کے بچے تھے۔ شائستہ نے اپنے بڑے بیٹے کو بھیجا کہ جائے اور اس غبارے والے کو بُلا لائے۔

لڑکا غبارے والے کو بلانے چلا گیا۔ لڑکے نے واپس آ کر جواب دیا: ''غبارے والے کہہ رہا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

اور واقعی وہ تھوڑی دیر میں آ گیا۔ اب کے اس کے ہاتھ میں غباروں کی چھڑی نہیں تھی، بلکہ ایک بڑی ٹرے تھی، جو اس نے دونوں ہاتھوں سے اُٹھا رکھی تھی اور کسی مستعد بیرے کی طرح ان کی جانب چلا آ رہا تھا۔

اسے اپنی ہی جانب آتا دیکھ کر جملہ خواتین مزید حیران ہوگئیں کہ یہ کون ہے، کس کا جاننے والا ہے؟ پہلے ہمارے بچوں کو غبارے مفت میں دے گیا ہے اور اب ہمارے لیے یہ سب لا رہا ہے، جیسے کہ ہم اس کے مہمان ہوں۔

''باجی! یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔ انکار نہ کیجیے گا، آپ میری بڑی بہن ہیں۔'' اس نے ٹرے ان کے پاس زمین پر رکھتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ اس کی مخاطب شائستہ ہی تھی۔ اس میں آئس کریم کے کون اور کپ تھے۔

''لیکن کیوں لائے ہو؟''

''آپ کو اپنی بڑی بہن سمجھ کر...... آپ میری بڑی بہن ہیں۔ مجھے اپنا بھائی سمجھ کر خدمت کا موقع دیں، آپ کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔'' اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبا گئی تھیں۔

شائستہ عجیب مخمصے میں پڑ گئی تھی وہ اکیلی ہوتی تو شاید زیادہ پریشان ہوتی، لیکن اس وقت تقریباً وہ سارے گھر والے ہی موجود تھے۔ شائستہ بولی: ''ٹھیک ہے میرے بھائی! میں تمھیں اپنا بھائی ہی سمجھتی ہوں، لیکن ہم اپنے بھائی کا نقصان نہیں چاہتے، یہ سب واپس لے جاؤ۔'' وہ ہنسی: ''ہم بہت ساری ہیں اور تمھارا بہت خرچا ہو جائے گا۔''

''نہیں باجی! آپ کی اور آپ کے ساتھ سب کی خدمت کر کے مجھے بہت خوشی

ہوگی۔ میں اس پارک میں کئی سال سے غبارے بیچ رہا ہوں۔ آپ سب یہاں میرے مہمان ہیں۔ یہاں آپ کے بچے جو بھی جھولا جھولیں گے، اس کی ادائیگی میں کروں گا، آپ ایک پیسہ بھی خرچ نہ کریں۔''

''لیکن کیوں......؟''

''میں نے کہا نا، آپ میری بہن ہیں۔ آپ کے بچے میرے بھانجے بھانجیاں ہیں۔ مجھے اپنی خدمت سے محروم نہ کیجیے گا۔''

شائستہ اسے جواب دینے کے لیے الفاظ کا چناؤ کر ہی رہی تھی کہ وہ بولا: ''میری کوئی بہن نہیں ہے۔ مجھے ماموں کہنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کو اپنے گھر لے جاؤں۔ آپ کے بچے مجھے ماموں کہیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔'' اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سارے جہاں کا درد اس کے چہرے میں سمٹ آیا۔

ان سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بات یہیں ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تو ان سب کو اپنے گھر لے جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

شائستہ بولی: ''لیکن کیوں......؟ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو، پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم ہمارے بھائی کیسے ہوگئے؟ تم ہمیں کیسے جانتے ہو، جب کہ ہم تمھیں بالکل بھی نہیں جانتے۔''

''میں بتاتا ہوں باجی!'' اس نے کہا اور فوراً ہی اس کی پلکوں میں نمی تیر گئی: ''میں یہاں بیٹھ جاؤں؟'' اس نے عاجزی سے اس کے سامنے زمین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اجازت چاہی۔

شائستہ نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

جولڑکا اسے بلانے گیا تھا، اسے اس نے قریب بلایا اور شائستہ سے پوچھا: ''یہ آپ کا بیٹا ہے؟''

''ہاں۔'' شائستہ نے کہا۔

''کیا نام ہے بیٹے آپ کا؟'' اس نے پوچھا تو بیٹے نے اپنی ماں کی طرف دیکھا کہ اس اجنبی کو اپنا نام بتانا مناسب بھی ہے یا نہیں؟ شائستہ نے اپنے بیٹے کا نام اسے بتایا تو اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسے دیا اور بولا: ''جبران بیٹا! ان سب بچوں کو لے جاؤ، جس جھولے پر جھولنا چاہو، کوئی چیز کھانا چاہو تو کسی کو پیسے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کارڈ دکھا کر کہنا، ہمیں منصور ماموں نے بھیجا ہے۔''

پھر شائستہ سے بولا: ''یہاں کے سارے اسٹال والے، انتظامیہ سے میری واقفیت ہے۔ آپ کو یہاں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنے دوں گا۔ کوئی جھولا جھولیں، کوئی چیز کھانے کو جی چاہے۔ سب میری طرف سے۔''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم ہمارے بھائی کیسے ہو؟''

''باجی! میں ہفتہ وار بازاروں میں لگنے والے ایک اسٹال پر کام کرتا تھا۔'' اس نے کہنا شروع کیا: ''اسٹال کا مالک ہفتے کے چھے دن اسٹال لگاتا تھا۔ اس کا مال گھر یا گودام جانے کی بجائے ایک بازار سے دوسرے بازار چلا جاتا۔ میں صبح سویرے اسٹال پر پہنچ جاتا اور رات دس گیارہ بجے گھر جاتا، مجھے دو سو روپے روز ملتے تھے۔ ڈیڑھ دو مہینے گزرے تھے۔ ایک رات دن بھر کا تھکا ہوا گھر آیا۔ میری بیوی کی طبیعت خراب ہوئی۔ اسے اسپتال لے جانا پڑا۔ میں ساری رات نہ سو سکا۔ صبح بازار دیر سے پہنچا اور سیٹھ کو بتایا

کہ میری بیوی بیمار ہے۔ میں شام کو جلدی چلا جاؤں گا۔

وہ ناراض ہو کر بولا: ''مجھے کام کے لیے آدمی کی ضرورت ہے۔ تم آئے بھی دیر سے ہو اور شام کو بھی جلدی چلے جاؤ گے۔ سارا کام میں خود کروں گا تو تمھاری کیا ضرورت ہے! جاؤ، ابھی چلے جاؤ، کل صبح جلدی آ جانا۔''

''میں نے کہا: ''میں چھٹی نہیں کر سکتا۔ مجھے رقم کی شدید ضرورت ہے۔ میری بیوی اسپتال میں ہے۔''

سیٹھ بولا: ''کام کرنے کے پیسے ملیں گے اور کام کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔ اب کل آنا۔''

''تو باجی! اس نے مجھے چھٹی دے دی۔ میں نے بہت منت کی کہ آج کام کر لیتا ہوں، چاہے مجھے آدھے دن کے پیسے دے دینا، لیکن وہ نہ مانا۔''

''سامنے والے اسٹال پر ایک انکل ہوا کرتے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور بولا: ''انکل! مجھے ایک سو روپے دیں، میں واپس نہیں کروں گا۔''

وہ بولے: ''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟''

میں نے بتایا کہ میری بیوی اسپتال میں ہے۔ رات بھر اسپتال میں تھا، سو بھی نہیں سکا۔ ابھی دیر سے آیا ہوں تو وہ مجھے کام پر نہیں رکھ رہے۔ میرے پاس کرایہ تک نہیں ہے۔ بیوی کو اسپتال سے گھر لے جانا ہے، آپ مجھے سو روپے دے دیں، میں واپس کرنے نہیں آؤں گا۔

(جاری ہے)

پاکستان کا قومی ترانہ

نسرین شاہین

قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان کا قومی پرچم تو موجود تھا، لیکن اس کا قومی ترانہ تیار ہونے کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔ ۱۴- اگست ۱۹۴۷ء کو پرچم کشائی کے موقع پر ایک قومی گیت کی دُھن بجائی گئی تھی، لیکن اس کو ترانے کا درجہ نہیں دیا گیا۔ قومی ترانہ ایسے گیت کو کہتے ہیں، جس میں قوم کی اُمنگوں کی ترجمانی کی گئی ہو۔ یہ کسی قوم یا ملک کی پہچان ہوتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد قومی تقریبات کے موقع پر جب غیر ملکی نمایندوں کی آمد شروع ہوئی تو حکومتِ پاکستان نے محسوس کیا کہ دوسرے ممالک کی طرح پاکستان کا بھی قومی ترانہ ہونا چاہیے۔ اس وقت کے وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں نے قومی ترانے کے لیے کوششیں شروع کیں۔ وزیرِ اطلاعات نے مختلف اخبارات میں ایک اشتہار شائع کرایا کہ پاکستان کا قومی ترانہ اور دُھن تیار کرنے والے شخص کو دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ اگر دو افراد شاعری اور دُھن علاحدہ علاحدہ لائیں گے تو دس ہزار کی رقم ان میں برابر تقسیم کی جائے گی۔

اشتہار کی اشاعت سے پہلے راولپنڈی میں وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں کی ملاقات مشہور شاعر حفیظ جالندھری سے ہو چکی تھی۔ اس ملاقات میں وزیرِ اعظم نے ان سے قومی ترانہ لکھنے اور بعد میں اس کی دُھن تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

۲۳ فروری ۱۹۴۹ء کو ایس ایم اکرام کی نگرانی میں ۹ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

سردار عبدالرب نشتر قومی ترانہ کمیٹی کے صدر تھے۔ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس یکم مارچ ۱۹۴۹ء کو کراچی میں سردار عبدالرب نشتر کے گھر پر ان کی صدارت میں ہوا۔ بعد میں کمیٹی کو دو ذیلی کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا، تاکہ وہ الفاظ اور موسیقی کے سلسلے میں موصولہ نمونوں کا جائزہ لیں۔ اس کمیٹی کو دنیا کے مختلف حصوں سے ترانے اور دُھنیں موصول ہوئیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی دُھن یا نغمہ معیار پر پورا نہ اُتر سکا۔

دوسرے اجلاس میں یہ طے پایا کہ ترانے کی شاعری اور دُھن بنانے کی تمام تر ذمے داری حفیظ جالندھری کو دے دی جائے۔ انھوں نے یہ ذمے داری قبول کر لی اور ترانے پر کام شروع کر دیا۔ ممتاز موسیقار عبدالکریم احمد جی چھاگلہ کو قومی ترانے کی دُھن تیار کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ انھوں نے پندرہ دنوں میں قومی ترانے کی دُھن بنائی۔ یہ دُھن پاکستان نیوی کے بینڈ نے ''پی این ایس دلاور'' میں بنائی۔ وارنٹ آفیسر عبدالغفور اس کے بینڈ ماسٹر تھے۔ ۲۱- اگست ۱۹۵۰ء کو یہ دُھن منظور کر لی گئی۔

اس دُھن کا دورانیہ ۸۰ سیکنڈ ہے اور اسے پاکستان زندہ باد کا نام دیا گیا۔

یکم مارچ ۱۹۵۰ء کو جب ایران کے حکمراں رضا شاہ پہلوی پاکستان تشریف لائے تو ان کی آمد پر پاک بحریہ کے بینڈ نے اس ترانے کی دُھن بجائی۔ پھر ۵ جنوری ۱۹۵۴ء کو مرکزی کابینہ نے اس دُھن کو سرکاری طور پر قومی ترانہ قرار دے دیا۔

قومی ترانہ کمیٹی نے ۲۷۲ ترانے رد کرنے کے بعد ۷- اگست ۱۹۵۴ء کو حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا پاکستان کا موجودہ ترانہ ''پاک سرزمین شاد باد'' قومی ترانے کے طور پر منظور کیا گیا۔ اس طرح حفیظ جالندھری کو پاکستان کے قومی ترانے کے بانی

ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس پر آپ کو دس ہزار روپے کا انعام دیا گیا۔

پاکستان کا قومی ترانہ سب سے پہلے ۱۳- اگست ۱۹۵۴ء کو ریڈیو پاکستان سے حفیظ جالندھری ہی کی آواز میں نشر کیا گیا۔ قومی ترانہ نشر ہونے کے صرف تین دن بعد یعنی ۱۶- اگست ۱۹۵۴ء کو قومی ترانے کی منظوری کا سرکاری اعلان ہوا اور ۱۴- اگست ۱۹۵۵ء کو حکومتِ پاکستان نے حفیظ جالندھری سے قومی ترانے کے حقوق خرید لیے۔

۱۹- جنوری ۱۹۵۵ء کو امریکا کے ایک مشہور فلم ساز ادارے نے قومی ترانے کی رنگین فلم تیار کی۔ ۹ جنوری ۱۹۵۷ء کو ملک بھر کے ہائی اسکولوں میں قومی ترانہ ترنم سے پڑھنا اور احتراماً سیدھے کھڑے ہو کر سننا لازمی قرار دیا گیا۔

۱۴- اگست ۱۹۸۱ء میں یومِ آزادی کے موقع پر صبح نو بجے پہلی مرتبہ پاکستانی عوام نے یک آواز ہو کر قومی ترانہ پڑھا۔

پاکستان کا قومی ترانہ شاعری کی صنف ''مخمس'' میں لکھا گیا ہے۔ اس ترانے میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ زیادہ ہیں۔ اردو زبان کا صرف ایک لفظ ''کا'' استعمال ہوا ہے۔

قومی ترانہ لکھنے میں حفیظ جالندھری کو چھے ماہ لگے، کیوں کہ قومی ترانے کے ایک ایک لفظ پر غور کیا گیا۔

قومی ترانے میں گیارہ گلوکاروں کی آوازیں شامل ہیں۔

ہمارا قومی ترانہ دنیا کے خوب صورت ترانوں میں شمار ہوتا ہے۔

☆☆☆

علم کی انتہا جہالت ہے

مسعود احمد برکاتی

ایک دن حلیم اور سلیم دونوں اپنے ابا کے ساتھ سیر کو گئے۔ حلیم بڑا تھا اور سلیم چھوٹا، لیکن سمجھ دار اپنے بڑے بھائی سے زیادہ تھا۔ اپنے قصبہ سے ذرا دور چلے تھے کہ ایک چھوٹی سی پہاڑی دکھائی دی۔ دونوں نے ابا سے کہا کہ آج تو ہم اس پہاڑی کی سیر کریں گے۔ ابا نے کہا کہ چلو، آج پہاڑی پر چلو، اس میں کیا حرج ہے۔ پہاڑی پر چڑھ کر حلیم اور سلیم بہت خوش ہوئے۔ ذرا اور اوپر چڑھے تو قصبہ کے مکان نظر آنے لگے، مگر بڑے بڑے مکان چھوٹے چھوٹے گھروندے معلوم ہو رہے تھے۔ چوڑی چوڑی سڑکیں ذرا ذرا سی گلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ چڑھتے چڑھتے اب یہ تینوں پہاڑی کے بالکل اوپر پہنچ گئے۔

''اوہو!'' سلیم کے منھ سے بے اختیار نکلا: ''یہاں سے تو سارا قصبہ ہی دکھائی دینے لگا۔'' حلیم نے کہا: ''پہاڑی کے نیچے تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔''

ابا نے کہا: ''دیکھا تم نے اونچائی پر پہنچنے کا مزہ۔ اب تم اگر اس سے زیادہ اونچے پہاڑ پر، وہ جو سامنے نظر آ رہا ہے اس پہاڑ پر چڑھ کر دیکھو تو تمھیں اپنا قصبہ ہی نہیں، پاس پڑوس کے دوسرے قصبے بھی نظر آنے لگیں گے۔ آدمی جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے، اس کی نگاہ اتنی ہی وسیع ہوتی جاتی ہے۔ تم نے شاید کسی کو کہتے سنا ہو کہ علم کی انتہا جہالت ہے۔''

حلیم جلدی سے بولا: ''واہ! اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے،

آدمی پڑھ لکھ کر جاہل ہو جاتا ہے۔''

سلیم کے بجائے ابا نے جواب دیا: ''نہیں حلیم! یہ مطلب نہیں جو تم سمجھے ہو۔ تم ابھی کہہ رہے تھے کہ پہاڑی کے نیچے کچھ دکھائی نہیں دیتا پھر جیسے جیسے اوپر چڑھتے جاتے ہیں، ویسے ویسے دور دور کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ جب آدمی نیچے ہوتا ہے تو اسے کچھ نہیں معلوم ہوتا، لیکن جب اوپر چڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ارے! اس سے پہلے تو مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ بس اسی طرح علم کا معاملہ ہے۔

جب آدمی کچھ بھی پڑھا لکھا نہیں ہوتا تو اسے اپنی جہالت کا خیال بھی نہیں آتا، لیکن جب وہ تھوڑا بہت پڑھ لکھ لیتا ہے تو اسے کچھ کچھ خیال ہونے لگتا ہے کہ ابھی علم اور حاصل کرنا چاہیے۔ اسی طرح وہ اپنا علم بڑھاتا جاتا ہے اور اس کا یہ خیال یا یہ احساس کہ اس کا علم اور اس کی معلومات ابھی بہت کم ہے، بڑھتا جاتا ہے۔ وہ علم کے پہاڑ پر چڑھتا جاتا ہے، بلندی کو چھوتا جاتا ہے اور اس کی بے خبری، بے علمی اور جہالت اس کے سامنے آتی جاتی ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اپنے آپ کو ناواقف اور جاہل سمجھتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ علم کی انتہا جہالت ہے۔''

سلیم اور حلیم نے کہا: ''ابا جان! اب ہم سمجھ گئے۔ پہاڑ کی مثال سے بہت آسانی سے بات ذہن میں آ گئی۔'' اور وہ سب خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔

(ہمدرد نونہال ستمبر ۱۹۵۷ء کی ایک تحریر)

☆☆☆

خالی پنجرہ

نذیر انبالوی

رحمت سر جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔ زمین پر رکھا توتے کا پنجرہ خالی تھا۔ سروش توتے کا خالی پنجرہ دیکھ کر غصے سے رحمت کو گھور رہا تھا کہ دادی جان آ گئیں۔ وہ دادی جان کو دیکھ کو فوراً بولا: ''دادی جان، دادی جان! رحمت نے میرا مٹھو اُڑا دیا ہے، اسے نوکری سے نکال دیں۔''

رحمت جلدی سے بولا: ''میں نے مٹھو کو جان بوجھ کر نہیں اُڑایا۔ میں پنجرے کی صفائی کرنے لگا تو غلطی سے پنجرہ کھل گیا تھا۔ کھلا پنجرہ دیکھ کر مٹھو میری آنکھوں کے سامنے اُڑ کر درخت پر جا بیٹھا، میں نے مٹھو کو چوری اور امرود، کیلے کا لالچ بھی دیا، جواب میں وہ ایک بات کہتا، جو چھوٹے صاحب نے اُسے یاد کروائی تھی۔''

''کون سی بات؟'' دادی جان نے رحمت سے پوچھا۔

''اماں بی! مٹھو میری ہر بات پر کہتا، آزادی زندہ باد...... آزادی زندہ باد۔''

''میں نے بہت مشکل سے اپنے پیارے مٹھو کو یہ جملہ یاد کروایا تھا۔ ہائے، میرا پیارا مٹھو اُڑ گیا۔ اب وہ نہ جانے کہاں ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے سروش رو دیا۔

''سروش بیٹا! رومت، تمھارے بابا تمھیں ایک اور مٹھو لا دیں گے۔''

''وہ میرے پہلے مٹھو جیسا تو نہیں ہوگا۔ اُسے میرا اور گڑیا کا نام یاد تھا۔''

رات کے کھانے کے دوران بابا جان نے پوچھا: ''آج مٹھو کیوں اتنا خاموش ہے۔؟''

یہ جملہ سننے کی دیر تھی کہ سروش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ مشکل سے بول پایا تھا:

''میرے مٹھو کو رحمت نے اُڑا دیا ہے۔ اب پنجرہ خالی ہے۔ مٹھو کے بغیر پنجرہ سُونا سُونا ہے۔''

ابو نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''سروش میاں! آپ اپنا دل چھوٹا مت کریں۔ کل آپ کا نیا مٹھو آ جائے گا، پنجرہ اب سُونا سُونا نہیں رہے گا۔''

اگلے دن ایک بڑے سے پنجرے میں نیا توتا گھر میں آ گیا۔ سب گھر والے پنجرے کے ارد گرد یوں کھڑے تھے جیسے نئے توتے کا استقبال کر رہے ہوں۔

''میں نئے مٹھو کو ہر وہ بات یاد کراؤں گا، جو میرے پہلے والے مٹھو کو یاد تھی۔''

گھر میں نیا مٹھو کیا آیا، سروش اور گڑیا اُسے ہر وقت کچھ نہ کچھ یاد کرواتے دکھائی دیتے۔ کئی دن گزر گئے، مگر دونوں کوشش کے باوجود مٹھو کو ایک لفظ بھی یاد نہ کروا سکے تھے۔ ان حالات میں سروش کو اپنا پہلا مٹھو یاد آنے لگا تھا۔ کاش، میرا مٹھو واپس آ جائے۔ میں اُسے مزے دار امرود اور کیلے کھلاؤں گا، کاش، ایسا ہو جائے۔

ایک دن سروش اسکول سے آیا تو دروازے کے پاس رکھے پنجرے میں قید مٹھو نے ''سروش، سروش'' پکارا تو سروش کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ تیزی سے پنجرے کی طرف بڑھا۔ پنجوں کے بَل بیٹھ کر مٹھو کو مخاطب کیا: ''دوبارہ کہو سروش، ہاں بولو، سروش...... بولو...... بولو۔''

کچھ دنوں کی مشق اور کوشش کے بعد مٹھو ''گڑیا، گڑیا'' بھی پکارنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نیا مٹھو بھی بہت کچھ سیکھ گیا۔ اب تو نیا مٹھو ''آزادی زندہ باد'' کا نعرہ بھی بلند کرنے لگا تھا۔ نئے مٹھو نے پرانے مٹھو کی جگہ لے لی تھی۔ اب خالی پنجرہ دیکھ کر سروش کو کبھی پرانے مٹھو کی یاد نہیں آتی تھی۔ پہلے توتے کی طرح نئے توتے نے بھی سروش کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

ایک شام سروش اور گڑیا سیر کرنے کے لیے قریبی باغ میں گئے۔ رحمت کے ہاتھ میں مٹھو

کا پنجرہ تھا۔ رحمت نے ایک درخت کے نیچے پنجرہ رکھا تو مٹھو نے درخت پر بیٹھے ایک توتے کو دیکھا۔ توتا مسلسل ٹائیں ٹائیں کر رہا تھا۔ وہ ایک درخت سے دوسرے اور پھر تیسرے درخت پر جا بیٹھتا تھا۔ وہ اپنی چونچ سے پکے آموں کو کھاتا اور آبشار سے پانی پیتا۔ پنجرے میں بند مٹھو کبھی سروش اور کبھی گڑیا کو پکارتا۔ وہ کبھی کبھار ''آزادی زندہ باد'' کا نعرہ بھی بلند کرتا۔ سروش اور گڑیا باغ میں کھیل رہے تھے، جب کہ رحمت مٹھو کے پنجرے کے پاس بیٹھا تھا۔ جب مٹھو آزادی زندہ باد کہتا تو رحمت فوراً کہتا: ''آزاد تو وہ ہے، اپنی مرضی سے اُڑ رہا ہے، کھا پی رہا ہے، تم تو غلام ہو، قیدی ہو، اللہ کرے، تمھیں ایک دن غلامی سے نجات اور آزادی نصیب ہو جائے۔''

رحمت کی باتیں سن کر مٹھو زور زور سے ''آزادی زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتا تو یوں محسوس ہوتا، جیسے وہ رحمت کی باتیں اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔

ایک دن جب سروش، گڑیا اور رحمت بازار سے گھر واپس آ رہے تھے تو ایک گاڑی تیزی سے اُن کے پاس آ کر رکی تھی۔ دو آدمی گاڑی سے نکلے اور سروش کو اُٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ یہ عمل اتنی تیزی سے ہوا کہ گڑیا اور رحمت شور بھی نہ مچا سکے۔ سڑک پر زیادہ بھیڑ نہ تھی، اس لیے گاڑی جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ رحمت نے اپنے موبائل فون سے سروش کے ابو آفتاب صاحب کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ موقع واردات پر پہنچ گئے۔ رحمت اور گڑیا کی زبانی سارا ماجرا جان کر انسپکٹر توحید نے آفتاب صاحب سے پوچھا: ''آپ کو کسی پر شک ہے؟''

''میں نے چند ماہ قبل دفتر میں چوری کرنے پر ایک ملازم رضا کو ملازمت سے نکال دیا تھا، ہو سکتا ہے، یہ اُس کی کارروائی ہو۔'' انھوں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''میں رضا کو شاملِ تفتیش کر رہا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بیٹا جلد گھر لوٹ آئے

گا۔ اگر کوئی آپ سے رابطہ کرتے تو ہمیں فوراً اطلاع کیجیے گا۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔'' آفتاب نے انسپکٹر توحید کی بات سن کر کہا۔

سروش ایک نیم تاریک کمرے میں موجود تھا، کمرے کا دروازہ بند تھا۔

''مجھے باہر نکالو، مجھے اپنے گھر جانا ہے، دروازہ کھولو۔'' سروش روتے ہوئے مسلسل التجا کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو ایک شخص جس نے رومال سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا، کمرے میں داخل ہوا۔ سروش دروازہ کھلا دیکھ کر باہر نکلنے لگا تو اندر آنے والے شخص نے اس کا بازو اتنی زور سے پکڑا کہ وہ درد سے بلبلا اُٹھا۔

''مجھے باہر جانے دو، مجھے اپنے گھر جانا ہے۔'' سروش نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

''تم گھر تو اُسی وقت جاؤ گے جب تمھارا باپ مجھے میری مطلوبہ رقم دے گا۔ بہت دولت ہے تمھارے باپ کے پاس، تھوڑا سا پیسہ ہمیں دے دے گا تو اسے کون سا فرق پڑے گا۔ بیٹھ جاؤ آرام سے، زیادہ شور مچایا تو اپنی جان سے جاؤ گے۔''

''مجھ پر رحم کرو، مجھے جانے دو۔ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے! مجھے گھر جانے دو۔'' سروش نے روتے ہوئے کہا۔

''بگاڑا تم نے نہیں، کام تو تمھارے باپ نے بگاڑا ہے، دفتر سے ایک لیپ ٹاپ کیا اُٹھا لیا، اس نے ملازمت ہی سے فارغ کر دیا۔ مجھے ملازمت سے نکالنا آفتاب صاحب کو بہت مہنگا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر اس آدمی نے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔

سروش روتا پیٹتا رہا، مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

رات کے وقت کمرے میں مدھم بلب کی نیلی ہلکی روشنی تھی۔ ایک طرف پانی کی بوتل اور کھانا رکھا تھا، مگر سروش نے اس طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہوگا۔ وہ جماعت ہفتم کا طالب علم تھا۔ اسے جو دعائیں یاد تھیں، وہ انھیں بار بار پڑھ رہا تھا۔ دعا کرتے ہوئے اسے پنجرے میں بند مٹھو کا خیال آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ مٹھو بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تھا، جسے کافی مدت پنجرے میں قید رکھا گیا تھا۔ رحمت سے پنجرہ کھلا رہ گیا تھا، تب اسے آزادی ملی تھی۔ اب ایک اور مٹھو اس کی قید میں تھا۔ جو پکار پکار کر ''آزادی زندہ باد'' کے نعرے بلند کرتا تھا۔

''میرے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھے آزادی عطا کر دے، میں وعدہ کرتا ہوں، یہاں سے آزاد ہوتے ہی مٹھو کو آزاد کر دوں گا۔ میرے اللہ مجھے آزادی عطا کر دے۔'' سروش نے روتے ہوئے دعا کی۔

رضا نے آفتاب صاحب سے تاوان کے لیے رابطہ کیا تو آفتاب نے اس کی اطلاع انسپکٹر توحید کو کر دی۔ انسپکٹر توحید نے جدید آلات کی مدد سے رضا کے فون کرنے کی جگہ کو تلاش کر لیا۔ یوں تو رضا ہر بار موبائل فون کی سم بدل بدل کر آفتاب صاحب کو فون کرتا، مگر وہ ایک ہی جگہ سے فون کر رہا تھا۔ انسپکٹر توحید نے رات کے آخری پہر اس جگہ کا محاصرہ کیا اور جلد ہی اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔

سروش کچھ نہ کھانے پینے کے باعث نڈھال سا ہو گیا تھا۔ انسپکٹر توحید نے اسے پانی پلایا تو اس کی جان میں جان آئی۔ تھانے میں جب وہ بابا جان سے بغل گیر ہوا تو بے اختیار رو دیا۔ ایک رات کی قید نے اسے آزادی کی اہمیت سے آگاہ کر دیا تھا۔ جب وہ بابا جان کے ساتھ گھر

پہنچا تو دادی اور امی نے اس کی بلائیں لیں۔ گڑیا نے محبت سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ مٹھو بھی سروش، سروش پکار رہا تھا۔ سروش نے کوئی وقت ضائع کیے بغیر مٹھو کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔

''مٹھو! اُڑ جاؤ...... دیر مت کرو۔''

مٹھو نے پنجرہ کھلا دیکھا تو تیزی سے پنجرے سے نکل کر درخت پر جا بیٹھا۔ سروش نے مٹھو کو مخاطب کیا: ''میرے پیارے مٹھو! آزادی مبارک ہو، فضاؤں میں اُڑو، آزاد زندگی گزارو، آزادی کی زندگی جیو، پیارے مٹھو! ایک دفعہ پھر آزادی مبارک...... آزادی مبارک۔''

یہ سن کر مٹھو ''آزادی زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے پُھر سے اُڑ گیا۔ ☆

طاقت ور بے وقوف

غلام یٰسین نوناری

یہ ایک طاقت ور، لیکن ایک بے وقوف انسان کی کہانی ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا، لیکن وہ جوارا ٹا کے عجیب و غریب نام سے مشہور تھا۔ جوارا ٹا بے حد طاقت ور، لیکن احمق شخص تھا۔ وہ ایک وقت میں پچاس افراد کا کھانا کھا لیتا تھا۔ اس کا باپ بہت پریشان تھا، کیوں کہ وہ کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

ایک روز کسی نے جوارا ٹا کو بتایا کہ شمالی پہاڑوں کے پیچھے ایک وادی ہے۔ اس کا نام اگنستان ہے۔ وہاں بہت بڑا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اگر تم وہ خزانہ حاصل کر لو تو تمھاری ساری زندگی عیش میں گزرے گی۔

جوارا ٹا یہ سن کر بے حد خوش ہوا اور اسی دن وہ وادی کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے شام ہوگئی۔ رات اس نے ایک گاؤں میں گزاری۔ صبح ہونے کے بعد وہ اپنا سفر کرنے ہی والا تھا کہ گاؤں کے چودھری نے اسے بلایا اور کہا: ''نوجوان! تم مجھے بہت طاقت ور لگتے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو، کام کرو، میں تمھیں مالا مال کردوں گا۔''

جوارا ٹا نے کہا: ''چودھری صاحب! میں فی الحال ایک عظیم خزانے کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ مجھے تھوڑے سے مال کی ضرورت نہیں ہے۔''

چودھری صاحب خاموش ہوگئے۔ وہ چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل سے گزرا۔ اس کی نگاہ ایک ہرن پہ پڑی۔ وہ اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ ہرن بھی بھاگنے لگا، مگر جوارا ٹا بھی بہت تیز دوڑتا تھا، اس نے جلد ہی ہرن کو پکڑ لیا۔

ہرن نے کہا: ''تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمھیں اس جنگل میں دفن ایک خزانے کا پتا بتا سکتا ہوں۔ خزانہ اتنا زیادہ ہے کہ تم صدیوں تک استعمال کرو، تب بھی ختم نہ ہوگا۔''

جوارا ٹا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: ''تم مجھے بے وقوف مت سمجھو۔ میں اس سے بھی بڑے ایک خزانے کی تلاش میں نکلا ہوں۔''

جوارا ٹا نے ہرن کو مار کر آگ پہ بھون لیا اور کھا پی کر آگے روانہ ہوا۔ آخر وہ شمالی پہاڑیوں کے قریب جا پہنچا۔ کچھ دور ایک بزرگ بیٹھے عبادت کر رہے تھے۔ بزرگ نے جوارا ٹا کو آتے دیکھا تو اسے اپنے پاس بلایا۔ قریب پہنچ کر جوارا ٹا نے پوچھا: ''اے بزرگ! کیا آپ وادی اگنستان کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟''

بزرگ نے بتایا: ''یہ وادی، موت کی وادی ہے۔ وہاں جو بھی گیا، بچ کر واپس نہ آیا۔ اگر تم وہاں جانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو میری مانو، مت جاؤ۔ وہاں صرف موت ہے۔''

جوارا ٹا نے قہقہہ لگایا اور بولا: ''میں کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں، اگر وہاں کوئی دیو

بھی ہے تو اسے اُٹھا کر پھینک دوں گا۔ میں وہاں ضرور جاؤں گا۔''

بزرگ نے اسے قابلِ رحم نظروں سے دیکھا، مگر کچھ نہ کہا۔ بزرگ کو یقین تھا کہ وہ موت کے منھ میں جا رہا ہے۔

آخر جوارا ٹا وادی اگنستان کے دروازے پہ پہنچ گیا۔ آگے جو کچھ ہوا، بُرا ہوا۔

جوارا ٹا چاہتا تو اپنی طاقت سے خود بھی فائدہ اُٹھاتا اور دوسروں کے کام آکر سکون پاتا۔ وہ جتنا طاقت ور تھا، اتنا ہی بے وقوف بھی تھا۔ اس نے لالچ میں پڑ کر گاؤں کے چودھری صاحب کی عمدہ پیش کش ٹھکرا دی۔ ہرن خزانے کا راز بتا رہا تھا تو اسے ہلاک کر دیا۔ ایک نیک دل بزرگ نے اسے بہت سمجھایا، لیکن وہ آخر تک اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا رہا۔ وادی کے دروازے پر ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ نے اسے پکڑ کر کھینچ لیا۔ آج تک اس کا پتا نہ چلا کہ وہ کہاں گیا۔ ☆

بڑا مجرم

غلام رسول زاہد
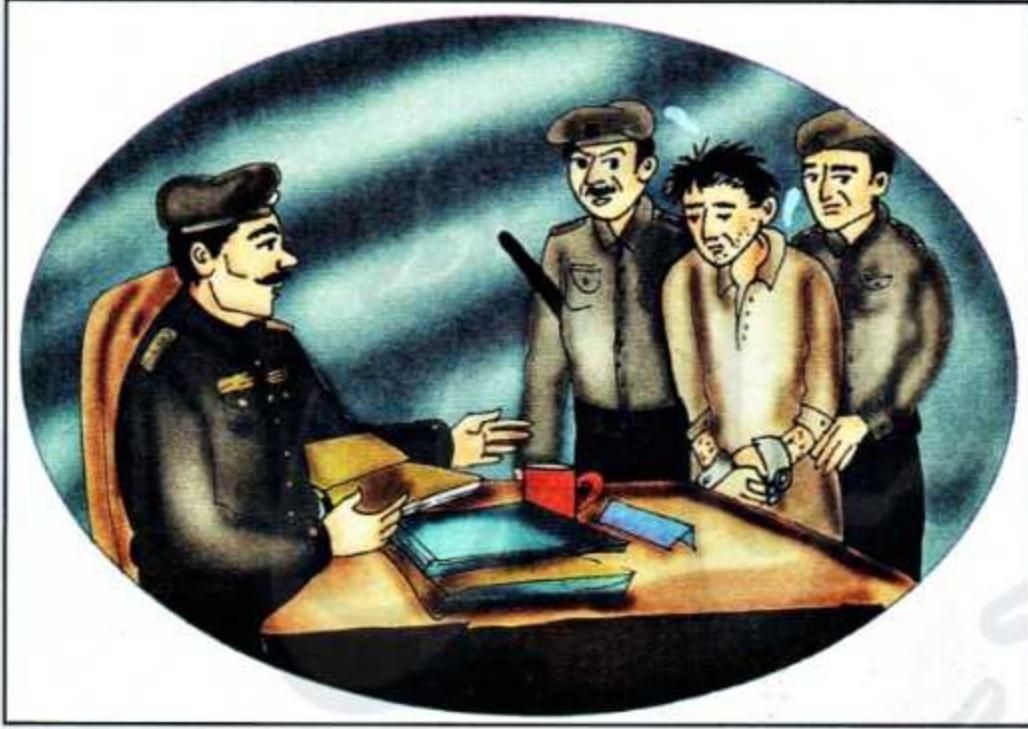
’’آپ میرے دفتر میں کیا کر رہے ہیں؟‘‘ انسپکٹر کاشان نے ماتھے پر تیوری چڑھاتے ہوئے سب انسپکٹر ظفر دلاوری سے پوچھا۔ وہ ایک ضروری میٹنگ سے فارغ ہو کر پولیس اسٹیشن پہنچے تھے۔ سب انسپکٹر دلاوری کو اپنے دفتر میں دیکھ کر انھیں غصہ آ گیا۔ یہ شخص انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

’’میں...... دراصل وہ مجھے اپنی ایک فائل نہیں مل رہی تھی۔ میں نے سوچا، کہیں آپ کے کمرے میں نہ بھول آیا ہوں۔ سر! میں معافی چاہتا ہوں۔‘‘ انسپکٹر دلاوری اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالتے ہوئے بولا۔

انسپکٹر کاشان نے لمبی سانس لی اور اس کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا: ’’آپ
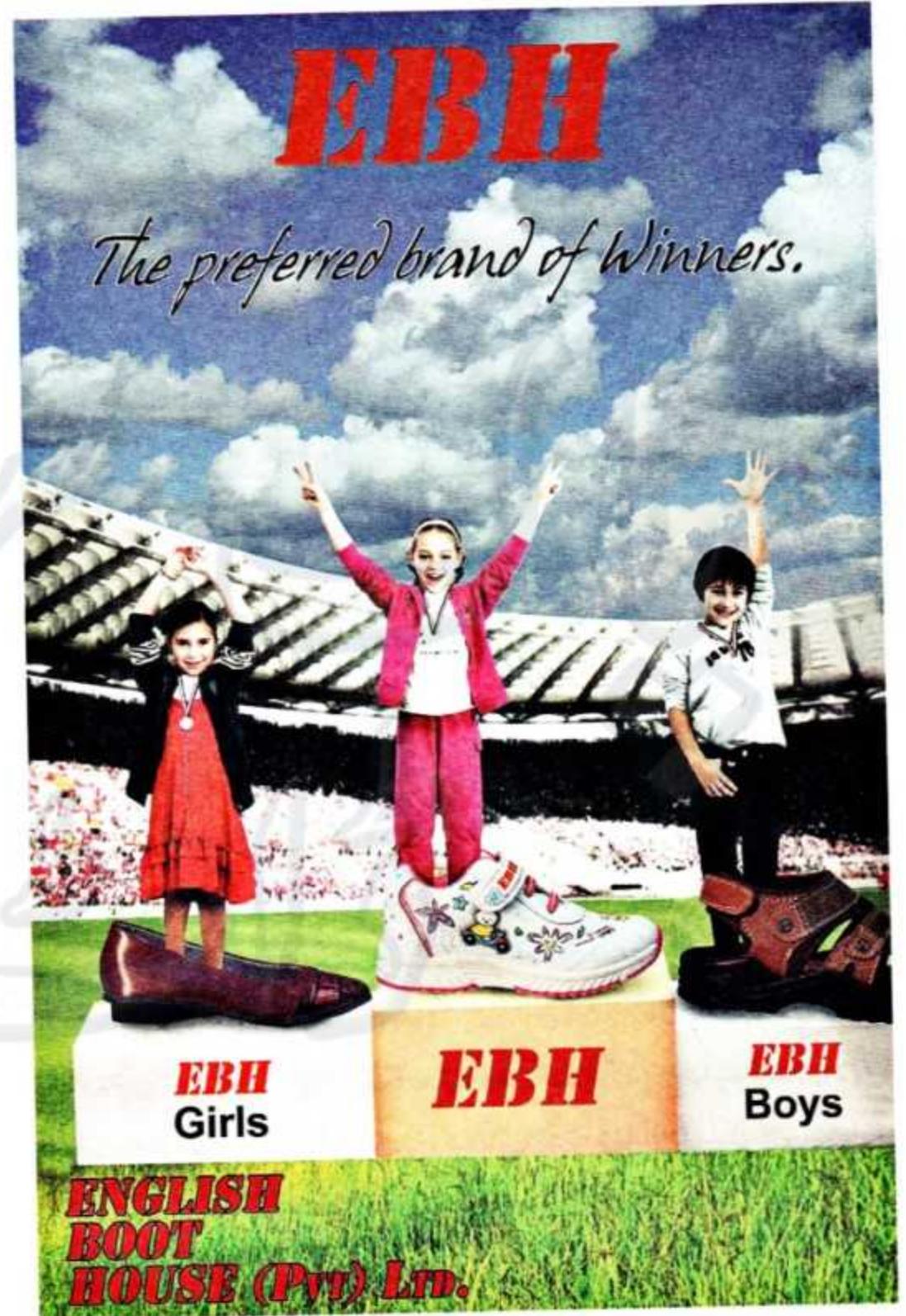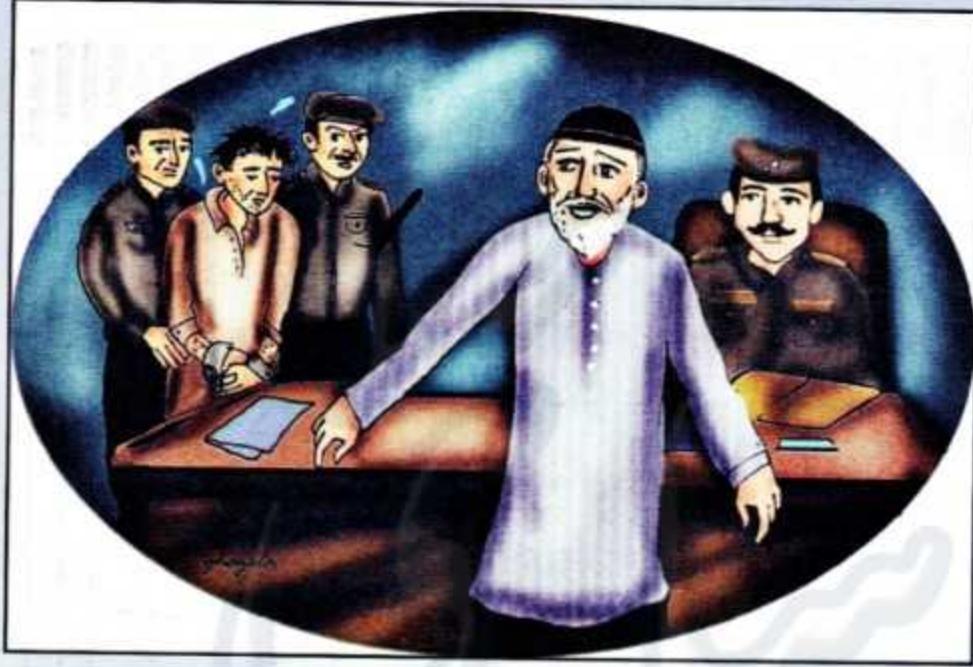
فوراً اپنے کمرے کا رُخ کریں......اور ہاں، شاداب نگر کے کیس کا کیا بنا؟ میں نے آپ کو گواہوں سے دوبارہ ملنے کے لیے کہا تھا۔''

سب انسپکٹر دلاوری واپس جاتے ہوئے گھبرا کر مڑا اور ہکلاتے ہوئے بولا: ''دراصل میں گشت میں مصروف رہا اور......''

انسپکٹر کاشان نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا: ''مجھے کل صبح دس بجے اس کیس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ چاہیے۔''

انسپکٹر کاشان ابھی ٹھیک طرح سے کرسی پر نہیں بیٹھے تھے کہ برآمدے میں ایک شور سا ہوا۔ انھوں نے اردلی کو بلایا اور اس شور کی وجہ پوچھی۔

''جناب! دو سپاہی ایک جوان آدمی کو پکڑ کر لائے ہیں۔ یہ شور اسی نے مچا رکھا ہے۔ ڈیوٹی آفیسر اسے اپنے کمرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔'' اردلی نے اطلاع دینے والے انداز میں بتایا۔

''ڈیوٹی آفیسر سے کہیں کہ اس آدمی کو میرے پاس لے آئیں۔'' انسپکٹر کاشان نے ہدایت دیں۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی ایک شخص کو ہتھکڑیاں لگے ایک شخص کو سامنے لے آیا۔ انسپکٹر کاشان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے کہا: ''جناب یہ آدمی بہت بد بخت ہے۔ نشے کا عادی ہے۔ اس کی عمر اور اس کا قد کاٹھ دیکھیں...... اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی اور صحت سے کھیل رہا ہے۔ ماں باپ اور محلے داروں کا ناک میں دم کر رکھا ہے اس نے۔ اس کا بدنصیب باپ بھی باہر کھڑا ہے۔''

انسپکٹر کاشان نے ملزم کے باپ کو فوراً اندر بلایا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ سر پر ٹوپی، سر اور داڑھی کے آدھے سے زیادہ بال سفید، چہرے پر مایوسی، آنکھوں میں درد اور بے چارگی۔ وہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی تھیں۔

''جناب! میں اس بدنصیب کا باپ ہوں۔ میرا نام بشیر انصاری ہے۔ میری کپڑے کی چھوٹی سی دکان ہے۔ گھر کا خرچ بڑی مشکل سے چلتا ہے۔ میری تین بیٹیاں بھی گھر پر بیٹھی ہیں۔ یہ کم بخت میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کا نام کبیر ہے۔''

انسپکٹر کاشان قدرے مصروف تھے، لیکن اس کیس میں انھیں دل چسپی محسوس ہو رہی تھی۔ انھوں نے ایک نظر کبیر کی طرف دیکھا، جو نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ وہ ایک دراز قد جوان تھا۔ عمر تیس بتیس سال کے لگ بھگ۔ سر کے بال گھنے، لیکن اُلجھے ہوئے۔ چہرے پر نشے کے عادی افراد کی مخصوص نحوست۔ داڑھی کے بال بڑھے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے۔

انسپکٹر کاشان نے اس کے والد سے پوچھا: ''یہ نشے کا عادی کب سے ہوا اور آج اس نے کیا حرکت کی کہ خود آپ نے پولیس کے ہاتھوں اسے گرفتار کروا دیا؟''

''جناب! میں وہی عرض کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی، کیوں کہ پڑھائی

میں دل چسپی نہیں لیتا تھا۔ میں نے اسے دکان پر بٹھایا تو دکان بند ہونے کے بعد بُرے دوستوں کی صحبت میں رہنے لگا۔ اسی دوران اس کو نشے کی لت پڑ گئی۔ میرا قصور یہ ہے کہ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کے لاڈ اُٹھاتا رہا اور اس کی بڑی حرکتوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ اب تو اس کی حالت یہ ہے کہ جب نشہ پورا کرنے کے لیے پیسے نہیں ملتے تو مار پیٹ پر اُتر آتا ہے۔ آج شام سے ہی اس نے گھر میں اُدھم مچا رکھا تھا۔ نشے کے لیے پیسے مانگ رہا تھا۔ گھر میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ برتن تک توڑ ڈالے کہ کسی گلاس یا پیالی میں پیسے چھپا کے رکھے نہ ہوں۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو ماں کے پاس آیا۔ ماں سمجھانے لگی تو اسے بُری طرح دھکا دیا کہ فرش پر گرا دیا۔ بہنوں کو الگ مارتا ہے۔'' بشیر انصاری کی آواز بھرا گئی: ''محلے والوں کی مدد سے بڑی مشکل سے اسے قابو میں کر کے اب تھانے میں خود لے کر آیا ہوں۔ میری طرف سے اسے پھانسی پر لٹکا دیں یا ہڈی پسلی ایک کر دیں، ہمارے لیے یہ مر چکا ہے۔''

بوڑھا باپ سسکیاں بھر رہا تھا۔

انسپکٹر کاشان کی آنکھوں میں اچانک ایک چمک پیدا ہوئی۔ انھوں نے ڈیوٹی آفیسر کو اشارے سے بلایا اور اس کے کان میں چپکے سے کوئی بات کہی۔ وہ اقرار میں سر ہلا کر اور سیلوٹ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اسے لے کر حوالات میں بند کر دو۔'' انسپکٹر کاشان نے سپاہیوں کو حکم دیا اور پھر بشری انصاری سے مخاطب ہوئے: ''آپ اپنی شکایت درج کروائیں۔ میں اس کا مزاج ابھی درست کرتا ہوں۔''

انسپکٹر کاشان اپنے کام میں ایسے مصروف ہوئے کہ انھیں پتا ہی نہ چلا اور آدھی رات کا وقت ہو گیا۔ اردلی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ ملزم کبیر کی والدہ آئی ہیں۔

بشیر انصاری بھی اس کے ساتھ ہے اور وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

بشیر انصاری نے بے چارگی سے انسپکٹر کاشان کی طرف دیکھا اور کہا: ''جناب! یہ بے چاری آخر ماں ہے۔ رو رو کر کہہ رہی تھی کہ کبیر بھوکا پیاسا ہے، اس کے لیے کھانا لے جاؤ۔ پھر کہنے لگی کہ نہ جانے حوالات میں ننگے فرش پر اس سردی میں کیسے سوئے گا، اس کے لیے بستر لے جاؤ۔ اگر اجازت دیں تو یہ دونوں چیزیں حوالات میں پہنچا دوں؟''

انسپکٹر کاشان نے کہا: ''یہ دونوں چیزیں میرے دفتر میں لے آئیں۔ میں اپنے عملے کے ذریعے پہنچا دوں گا، آپ گھر تشریف لے جائیں۔''

دونوں سلام کر کے باہر چلے گئے، انسپکٹر کاشان کو یقین تھا کہ بشیر انصاری ساری رات تھانے کے احاطے میں گزارے گا اور کبیر انصاری کی ماں بھی رات بھر انگاروں پر لوٹتی رہے گی۔

انسپکٹر کاشان نے بستر اور کھانے کے برتنوں کو ایک نظر دیکھا۔ پھر کھانے کے برتنوں کو کھول کر گہری نظر سے جائزہ لیا۔ جس چیز کی انھیں تلاش تھی، وہ جلد ہی مل گئی۔ انھوں نے اسے مٹھی میں دبایا اور اردلی کو اندر طلب کیا۔

''یہ بستر اور کھانے کے برتن حوالات میں کبیر کو دے دو اور دیکھو! ڈیوٹی آفیسر واپس آ گئے ہیں یا نہیں؟''

''جناب!'' اردلی نے ادب سے جواب دیا: ''جب میں میں اندر آ رہا تھا تو ڈیوٹی آفیسر تھانے میں داخل ہو رہے تھے۔''

''ٹھیک ہے، انھیں میرے پاس بھیجو۔''

تھوڑی دیر بعد ڈیوٹی آفیسر ایک خوف ناک چہرے والے شخص کو ہتھکڑیوں میں لے کر اندر داخل ہوا۔

''آخر دلدار پوڈری، پکڑا ہی گیا۔'' آنے والے شخص کو دیکھتے ہی انسپکٹر کاشان جوش میں آ کر کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''اس شہر کا نامی گرامی منشیات فروش اور اس علاقے کا سب سے گھٹیا مجرم۔'' انھوں نے نفرت سے کہا۔

دلدار اپنا انجام سوچ کر لرز رہا تھا اور اس کے چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔

انسپکٹر کاشان نے اپنی بند مٹھی کھولی اور میں دبی ہوئی نشہ آور پاؤڈر کی پُڑیا دلدار کے سامنے لہراتے ہوئے کہا: ''مجھے یقین تھا کہ کبیر کی ماں ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر تم سے نشہ خریدے گی اور کھانے کے برتنوں میں چھپا کر اس تک پہنچانے کی کوشش کرے گی، اس لیے میں نے ڈیوٹی آفیسر کو فوری طور پر بشیر انصاری کے گھر روانہ کیا تھا کہ چھپ کر ممتا کی ماری ماں کے تعاقب میں جائے اور اصل مجرم تک جا پہنچے...... تم نے کتنے گھر اُجاڑے ہوں گے، کتنی ماؤں کو تڑپایا ہوگا۔ اب تم سے تمھارے ایک ایک جرم کا حساب ہوگا۔''

''سرکار، سرکار! رحم'' دلدار نے معافی مانگنے کے انداز میں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور گھٹنوں کے بل گر کے منت کر رہا تھا۔

''تم کسی رحم کے قابل نہیں اور تم سے زیادہ بڑا مجرم وہ ہے، جس کے تم کارندے ہو۔ اس کا نام سیدھی طرح بتاؤ گے یا تمھیں اُلٹا لٹکانا پڑے گا؟''

ڈیوٹی آفیسر نے دلدار پر چھڑیوں کی برسات کر دی۔ وہ ہر وار پر ہائے ہائے کرتا رہا۔

''میں کچھ نہیں جانتا سرکار!'' وہ مسلسل کہے جا رہا تھا۔

''جناب! اگر اجازت دیں تو کچھ عرض کروں؟'' ڈیوٹی آفیسر نے معنی خیز انداز میں انسپکٹر کاشان سے پوچھا۔

''ضرور، ضرور۔'' انھوں نے سر ہلایا۔

''جناب! جب میں خفیہ طریقے سے دلدار کے ٹھکانے پر پہنچا تو یہ موبائل پر اپنے باس سے بات کر رہا تھا۔ میں نے چپکے سے اس کی ساری گفتگو اپنے حساس وائس ریکارڈر پر محفوظ بھی کر لی ہے۔'' ڈیوٹی آفیسر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی اس نے وائس ریکارڈر کا بٹن دبایا۔

''دلاوری صاحب!'' دلدار کی آواز اُبھری: ''آپ فکر نہ کریں، کسی کو شک نہیں گزرے گا...... بس آپ سپلائی میں کمی نہ آنے دیں...... جی ہاں...... میں سب کو سنبھال لوں گا، جی ظفر صاحب! آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے جناب! آپ کی جلد ترقی ہو جائے تو کاروبار کا مزہ آ جائے۔''

انسپکٹر کاشان نے چیتے کی طرح اپنی کرسی سے چھلانگ لگائی اور دفتر کے دروازے کی طرف لپکے۔

ڈیوٹی آفیسر چلّایا: ''سر! بے فکر رہیں، میں ظفر دلاوری پر پہلے ہی قابو پا چکا ہوں۔''

انسپکٹر کاشان فوراً مڑے، ان کی آنکھوں میں حیرت اور تحسین کے ملے جلے تاثرات جھلک رہے تھے۔

''معاف کیجیے گا سر! یہ سب کارروائی میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ہی کر لی، مگر ظفر دلاوری صاحب ہمارے سب انسپکٹر ہیں۔''

''بالکل غلط'' انسپکٹر کاشان مضبوط لہجے میں بولے: ''نہ وہ صاحب ہے، نہ سب انسپکٹر، وہ ایک مجرم ہے، قابلِ نفرت مجرم۔ اس کا جرم دہرا ہے، کیوں کہ اس نے قانون کی آڑ لے کر قانون شکنی کی ہے اور ہمیں دھوکا بھی دیا۔ وہ آستین کا سانپ ہے اور اس سانپ کا سر جتنی جلدی کچل دیا جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ ملزم کبیر کا علاج میں اپنی نگرانی میں کراؤں گا۔'' ☆

آزادی

حکیم خاں حکیم

اپنا پاکستان ہے بچو! رب کا یہ احسان ہے بچو!
اپنی عزت ، مان ہے بچو! آؤ! گھومیں وادی وادی

آؤ منائیں ہم آزادی

کھیتوں کی ہریالی دیکھو! پھولوں کی یہ لالی دیکھو!
شور مچاتا پانی دیکھو! آؤ! گھومیں وادی وادی

آؤ منائیں ہم آزادی

طائر گیت خوشی کے گائیں مست ہوا میں شور مچائیں
رعب اپنا کہسار دکھائیں آؤ گھومیں وادی وادی

آؤ منائیں ہم آزادی

جھنڈیوں سے ہر شہر سجا ہے سبز ہلالی خوب فضا ہے
چھتوں پر پرچم لہراتا ہے آؤ! گھومیں وادی وادی

آؤ منائیں ہم آزادی

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

عشرۂ مبشرہ

مرسلہ : کبریٰ ادریس، کراچی

عربی زبان میں عشر کے معنی ''دس'' اور مبشرہ کے معنی ہیں ''جنھیں خوش خبری سنائی گئی''، یعنی عشرۂ مبشرہ سے مراد وہ دس خوش نصیب صحابہ کرامؓ ہیں، جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی زندگی ہی میں جنت کی خوش خبری سنادی تھی۔ اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۔ حضرت طلحہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قائداعظم کا طرزِ حکمرانی

مرسلہ : رضوان محمد خواج، کراچی

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی کابینہ کی پہلی میٹنگ بلائی۔ جب تمام وزرا آ چکے تو قائداعظم کے اے ڈی سی جنرل گل حسن نے ان کے پاس آ کر پوچھا: ''کیبنٹ میٹنگ میں وزرا کو چائے کے ساتھ کیا کیا دینا ہے؟''

قائداعظم نے حیرت سے پوچھا: ''کیا وہ سب چائے اور کافی گھر سے پی کر نہیں آئے؟''

جنرل گل حسن چپ ہو گئے تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

قائداعظم نے ایک تاریخی جملہ کہا۔ انھوں نے فرمایا: ''وزرا سے کہہ دو، چاے اور کافی گھر سے پی کر آئیں۔ میرے پاس قوم کا پیسہ قوم کی امانت ہے۔ اس پیسے کو وزرا کی عیاشیوں پر خرچ نہیں کیا جا سکتا۔''
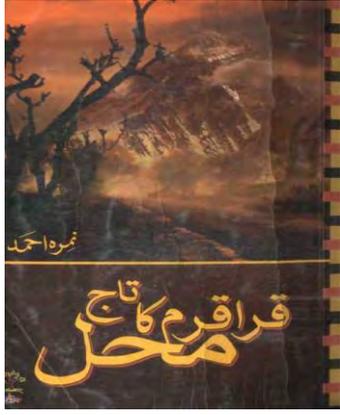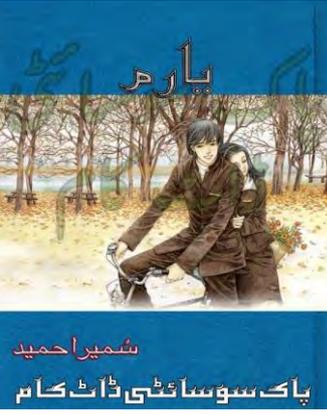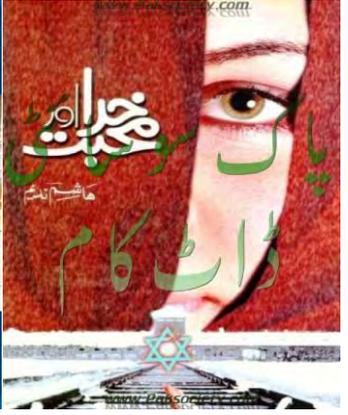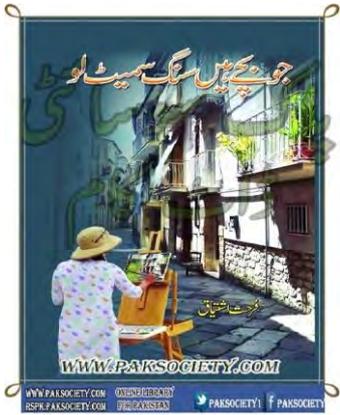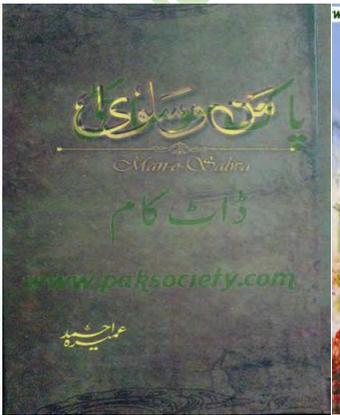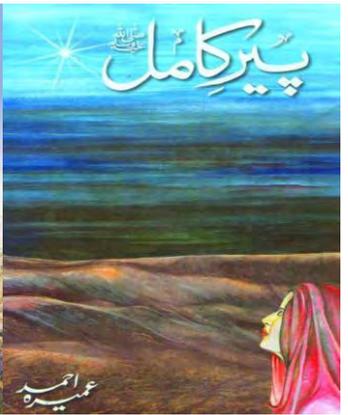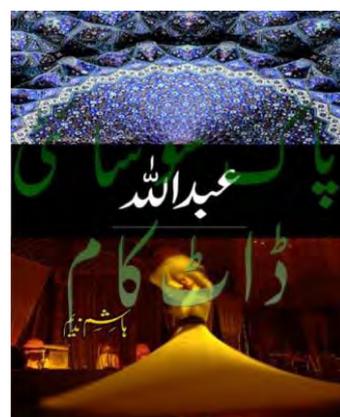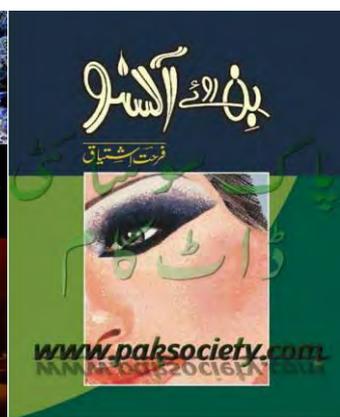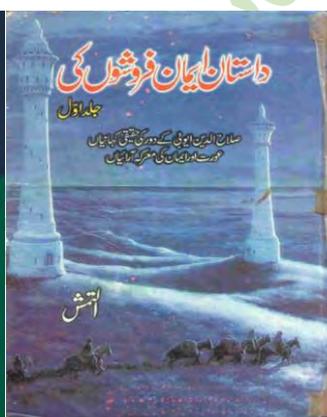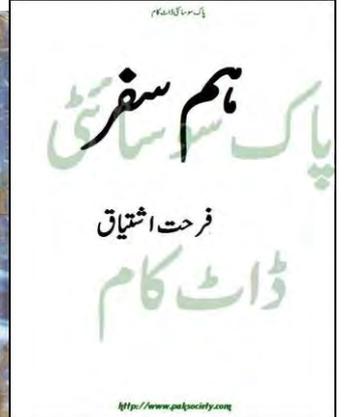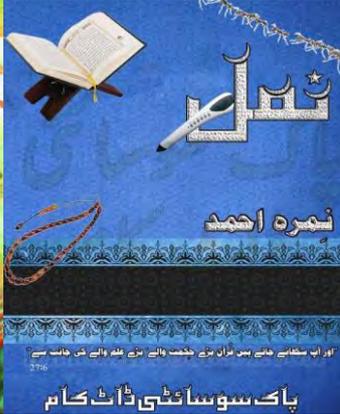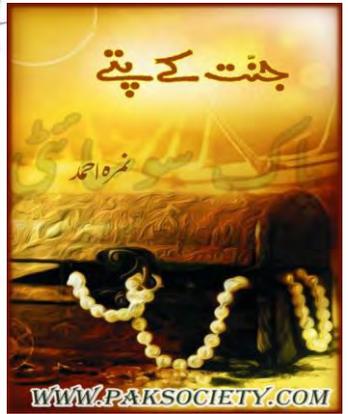
گرمیوں کی چھٹیاں

مرسلہ : عریشہ فاطمہ، نارتھ کراچی

ہوگئی ہیں گرمیوں کی چھٹیاں
کیا مزہ ، خالی اگر ہوں مٹھیاں
ہوم ورک اسکول والوں نے دیا
وہ تو جلدی جلدی ہم نے کرلیا
اب ملی فرصت تو آیا ہے خیال
جا رہے ہیں سیر کو خالو جمال
ملتی ہے سیر و سفر سے جو خوشی
اسی سے بڑھتا ہے ہمارا علم بھی

دوست بنایئے، صحت پایئے

مرسلہ : لئیق احمد خاں، ناظم آباد

دوست بنانا آپ کی جسمانی صحت کے لیے اچھا ہے اور اس کے فائدے چھوٹی عمر میں ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ محققین نے اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے چودہ ہزار افراد سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار جمع کیے۔ اس سے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک مختلف افراد کے ہیلتھ سروے کیے گئے۔ انھوں نے ایک انڈیکس کے ذریعے سے سماجی رابطوں کی تعداد اور نوعیت، رشتے داروں، گھر والوں اور دوستوں سے تعلقات اور اس کے ساتھ ہی مذہبی اور سماجی تنظیموں کے اجتماعات میں شرکت کا جائزہ لیا۔ یہ ریسرچ، نیشنل اکیڈمی آف سائنس کی کارروائی پر مبنی تھی، جو کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

آزادی کی خوشی

مرسلہ : صبا عبدالستار شیخ، شکارپور

ایک بہت دبلا پتلا بھیڑیا سڑک کے کنارے جا رہا تھا۔ تین روز کی بھوک سے

اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر اسے ایک موٹا تازہ کتا ملا۔ کتے نے بھیڑیے کو دیکھ کر کہا: ''کہو بھائی بھیڑیے! مزاج تو اچھا ہے؟ تم اس قدر دبلے کیوں نظر آتے ہو، کیا کچھ کھانے پینے کو نہیں ملتا؟''

بھیڑیے نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا: ''کیا کہوں بھائی! کچھ نہ پوچھو! ہاں تم اپنی کہو، تمھاری تو خوب گزر رہی ہے، خوب موٹے تازے ہو رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے روز عمدہ عمدہ کھانوں پر ہاتھ مارتے ہو؟''

کتے نے جواب دیا: ''میں اپنے مالک کے گھر کی رکھوالی کرتا ہوں، اس لیے وہ کھانے کو بہت اچھا دیتا ہے۔ اگر تم بھی یہ کام کرنے لگو تو تم کو بھی کھانے پینے کی کچھ کمی نہ رہے گی۔''

کھانے کا نام سن کر بھیڑیے کی جان میں جان آ گئی۔ خوشی سے بولا: ''مجھے منظور ہے۔ مہربانی کر کے مجھے بھی ساتھ لے چلو۔''

کتے نے کہا: ''اچھا چلے آؤ۔''

اور بھیڑیا، کتے کے ساتھ ہولیا۔

چلتے چلتے بھیڑیے کو کتے کی گردن پر ایک گول سا نشان نظر آیا۔ اس نے کتے سے پوچھا: ''کیوں بھائی! تمھاری گردن پر یہ نشان کیسا ہے؟''

کتا بولا: ''یہ نشان اس پٹے کا ہے جو دن بھر میرے گلے میں پڑا رہتا ہے۔ دن کو مجھے زنجیر سے باندھ دیا جاتا ہے، مگر رات کو کھلا پھرتا ہوں۔ آؤ، سوچتے کیا ہو! اب گھر تھوڑی ہی دور رہ گیا ہے۔''

بھیڑیے نے کہا: ''نا بھائی! مجھے یہ کام پسند نہیں۔ میں آزادی کی خوشی کو بھوک کی تکلیف سے اچھا سمجھتا ہوں۔''

ڈھونگ

مرسلہ : عاقب فرید گھلو، ۱۸ ہزاری

کوئی دیہاتی ایک میلے میں گیا۔ وہاں اس کا جوتا چوری ہو گیا۔ واپسی پر گھر والوں

نے میلے کا حال پوچھا تو کہنے لگا: ''میلا کیا کچھ لوگوں نے میرا جوتا چرانے کے لیے ڈھونگ رچایا تھا۔''

اقوالِ زریں

مرسلہ : روا فاطمہ، گلشن اقبال

☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی اچھی تصویر پیش نہیں کرسکتا، جتنی اس کی گفتگو۔

☆ لوگوں کو دعا کے لیے کہنے سے زیادہ بہتر ہے، ایسے عمل کرو کہ لوگوں کے دل سے آپ کے لیے دعا نکلے۔

☆ لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات یہ ہے کہ ایک ایسا دوست بناؤ جو تمھارا اس وقت ساتھ دے، جب لاکھوں تمھارے خلاف ہوں۔

☆ کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے اور حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں۔ دوست مقدروں سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔

☆ اچھی کتاب بہترین دوست ہے۔

☆ والدین کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

☆ زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔

☆ دعائیں لو اور دعائیں دو، وقت پر کام آئیں گی۔

☆ ناجائز کمائی جلد ضائع ہوتی ہے۔

☆ کھانے پینے کی اشیا میں ملاوٹ کرنے والا ظالم ہے۔

☆ خود غرضی آدمی کو جلد بدنام کرتی ہے۔

اک بات

شاعر : انور مسعود

پسند : مہک اکرم، لیاقت آباد

تجھ کو سیانا جان کے بھی اک بات تجھے سمجھانی ہے
ایسی بات کہ جس پر مجھ کو مدت سے حیرانی ہے
مجھ سے تُو انگریزی بولے، تیری یہ نادانی ہے
میں پاکستانی ہوں اور تُو بھی پاکستانی ہے

☆☆☆

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

آبِ کوثر

آبِ کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اس کا ذکر تیسویں پارے کی سورۃ کوثر میں آیا ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ حوض عربی میں تالاب کو کہتے ہیں۔

''آبِ کوثر'' ایک کتاب کا نام بھی ہے۔ یہ کتاب شیخ محمد اکرام نے لکھی ہے۔ اس میں ہندستان کے مسلمانوں کی ثقافتی اور مذہبی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ تین حصوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ہر حصے کا الگ الگ نام ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے حصے کا نام رودِ کوثر اور تیسرے کا نام موجِ کوثر ہے۔ انھوں نے مرزا غالب اور مولانا شبلی نعمانی کی سوانح بھی لکھی ہے۔

اُردو

اُردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ یہ چوں کہ مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے، اسی لیے اسے لشکری زبان کہا جاتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس کے لیے اتنا کام کیا کہ اُن کا لقب ہی بابائے اُردو ہو گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکا میں اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہوگی۔ ڈھاکا اس وقت ہمارے ہی ملک کا ایک شہر تھا۔ اب یہ بنگلا دیش کا دارالحکومت ہے۔

اُردو کے نام سے ایک اخبار مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر نے ۱۸۳۸ء میں جاری کیا تھا۔ اس میں ملکی اور غیر ملکی واقعات کے علاوہ ذوق، غالب، مومن اور دوسرے شاعروں کی غزلیں بھی چھپتی تھیں۔ یہ اخبار ۱۸۵۷ء کے ہنگامے تک جاری رہا۔

اُردو بازار (دہلی) لال قلعے سے جامع مسجد کے جنوبی دروازے تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں زیادہ تر کتب فروشوں کی دکانیں تھیں۔ اسی نسبت سے لاہور اور کراچی سمیت پاکستان کے کئی علاقوں میں کتابوں کے بڑے بازار کو اُردو بازار کہا جانے لگا۔

کالا باغ

ایک طویل عرصے سے ملک میں کالا باغ ڈیم کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کالا باغ دراصل ضلع میانوالی کا ایک حصہ ہے۔ یہاں کالا باغ ڈیم بنانے کا منصوبہ زیرِ غور ہے۔ اس سے ہمارے ملک میں پانی کی کمی دور ہونے کے علاوہ بجلی کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ یہ دریائے سندھ کے دائیں کنارے واقع ہے۔ یہاں کوئلے کی ایک کان اور سابق گورنر مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) ملک امیر محمد خان کا محل بھی ہے۔

کالا باغ کے نام سے ایک صحت افزا مقام ضلع ایبٹ آباد میں بھی ہے۔ نتھیا گلی سے دو میل کے فاصلے پر واقع یہ علاقہ ایک بہترین تفریحی مقام ہے۔ یہ علاقہ فوجی چھاؤنی بھی ہے۔ جنگلات میں گھرا یہ علاقہ دل کش نظارہ پیش کرتا ہے۔

پہلا ناول

''مراۃ العروس'' کو اُردو کا سب سے پہلا ناول مانا جاتا ہے۔ یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کا لکھا ہوا ہے۔ ناول کی کہانی دو بہنوں ''اصغری'' اور ''اکبری'' کے زندگی کے واقعات کے گرد گھومتی ہے۔ ناول میں سماجی اور معاشرتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس لیے یہ نصابی کتابوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کو اُردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے۔ انھیں ۱۸۹۰ء میں حکومت کی جانب سے ''شمس العلما'' (علما کا سورج) کا خطاب بھی دیا گیا۔

انگریزی زبان کا پہلا ناول پامیلا (PAMELA) کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ۱۷۴۰ء میں لکھا گیا تھا۔ اسے سموئیل رچرڈسن (SAMUEL RICHARDSON) نے تحریر کیا تھا،

جو ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ ناول دراصل خطوط پر مشتمل ہے۔ سموئیل رچرڈسن کا انتقال ۱۷۶۱ء میں ہوا۔ وہ ایک پرنٹنگ پریس کے مالک تھے۔

گوئبلز

جرمنی کا چانسلر جوزف گوئبلز (JOSEPH GOEBBLES) ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوا۔ وہ ہٹلر کا پروپیگنڈا وزیر تھا۔ اس کا کام ہٹلر کے نازی پیغام کو فروغ دینا تھا۔ ہٹلر کی خودکشی کے بعد اس نے بھی خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی مدح سرائی (تعریف) پر ہندو پریس نے زیڈ اے سلہری کو ''گوئبلز آف جناح'' کا خطاب دیا تھا۔ زیڈ اے سلہری تحریکِ پاکستان کے رہنما اور پاکستان کے صحافی اور ٹائمز آف کراچی، ایوننگ ٹائمز، لاہور اور پاکستان ٹائمز کے مدیر رہے۔ ۱۹۳۵ء سے انھیں قائداعظم کے قریب رہنے کا شرف حاصل رہا۔ انھوں نے قائداعظم کی سوانح بھی لکھی جو ''MY LEADER'' کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے ۱۹۴۴ء میں دو قومی نظریہ کی تائید میں ''روڈ ٹو پیس اینڈ پاکستان'' نامی کتاب لکھی۔ ان کا انتقال ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ء کو ہوا۔ ان کا مکمل نام ضیاء الدین احمد سلہری تھا۔

زیر اور پیش

گِھگّی (زیر کے ساتھ) ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ڈر کی وجہ سے منھ سے گِھی گِھی کی آواز نکلنا۔ روتے روتے سانس رک کر آنے کی آواز۔ اسی لیے محاورہ ''گِھگّی بندھ جانا'' بولا جاتا ہے۔ خوف یا دہشت کے مارے سکتے کا عالم ہونا۔

گُھگّی (پیش کے ساتھ) ہندی زبان کا لفظ ہے، جو فاختہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کا ایک اور مطلب بارش سے بچنے کے لیے کپڑے کی چادر کو اس طرح سر پر ڈالنا ہے کہ اس کی چونچ سی نکلی نظر آئے۔ ☆

نصیحت

کرشن پرویز

علم کی شمع ہر اک دل میں جلانا بچو!

دل سے تاریک خیالوں کو مٹانا بچو!

کھا کے ٹھوکر جو گرے اس کو اُٹھانا بچو!

پیار سے اس کو بھی سینے سے لگانا بچو!

سچ پہ اب جھوٹ کا پردہ ہے گراتی دنیا

تم حقیقت جو ہے ، دنیا کو بتانا بچو!

تم نہ شیطان کی باتوں میں کبھی بھول کے آنا

شمع ایمان کی ہر دل میں جلانا بچو!

تم نہ امداد کی پرویزؔ توقع کرنا

اپنے ہاتھوں سے ہی تقدیر بنانا بچو!

آپ کا جسم اور خلیے

آپ کا جسم لاکھوں کروڑوں خلیوں یا سیل (CELL) سے مل کر بنا ہے۔ یہ خلیے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ ایک اچھی خُرد بین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے۔ آپ کے جسم کا کوئی بھی حصہ اُن سے خالی نہیں۔ آپ کی ہڈیاں، آپ کی کھال، آپ کا دل، آپ کے پھیپھڑے، آپ کے پٹھے، غرض آپ کا ہر عضو خلیوں سے ہی مل کر بنا ہے۔

آپ کی طرح آپ کے خلیے بھی زندہ ہیں اور زندہ رہنے کے لیے انھیں بھی آپ کی طرح بھوک لگتی ہے۔ آپ جو غذا کھاتے ہیں، اسی سے ان خلیوں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ وہ غذا جذب کر کے بڑے ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی خلیہ بڑا ہوتا ہے، وہ خود بخود دو خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں ہر خلیہ اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔

ایک خلیے کی بہ نسبت دو خلیے زیادہ جگہ گھیرتے ہیں اور چار خلیوں کو دو خلیوں کے مقابلے میں زیادہ جگہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے آپ کے ہاتھ، آپ کی ٹانگیں غرض پورا جسم بڑا ہوتا چلا جاتا ہے اور آپ بچے سے بڑے ہو کر پورے انسان بن جاتے ہیں۔ خلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہی آپ کے قد و قامت میں اضافہ کرتی ہے۔ پہلے آپ کے ہاتھ پیر پتلے تھے، اب وہ موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر بچہ تندرست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا جسم نہ بڑھے۔ خلیوں کو ایک کام اور بھی کرنا پڑتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی میں کچھ خلیے مرتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے بچپن میں یہ عمل سُست رہتا ہے یعنی زیادہ خلیے نہیں مرتے، لیکن جیسے جیسے انسان کی عمر زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے، اس عمل میں تیزی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، یعنی زیادہ خلیے مرتے ہیں۔ اسی کا نام بڑھاپا ہے۔

جب بچہ بڑا ہو کر بالغ ہو جاتا ہے تو نئے خلیے پرانے خلیوں کی جگہ تو لیتے رہتے ہیں، لیکن جسم میں مزید اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ قدرت کا نظام ہے کہ آپ کا قد و قامت ایک جگہ آ کر رُک جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور انسان برابر بڑھتا رہتا تو اس وقت دنیا میں انسانوں کے بجائے دیو بھرے ہوتے! ☆

یہ پاکستان ہے پیارے

سید سخاوت علی جوہر

جو سب کی آن، سب کی شان، سب کی جان ہے پیارے
وہ سب کی عزت و حُرمت کا نگہبان ہے پیارے
جہاں میں اس کے دَم سے سب ہی کی پہچان ہے پیارے
یہ پاکستان ہے پیارے ، یہ پاکستان ہے پیارے

زمیں پہ جس کی ہر سُو چاند تارے جگمگاتے ہیں
یہ وہ دھرتی ہے جس کے ذرے ذرے مسکراتے ہیں
جاں دینے کو تیار ہر اک جوان ہے پیارے
یہ پاکستان ہے پیارے ، یہ پاکستان ہے پیارے

بسی ہے ایسی خوشبو کی مہک اس کی فضاؤں میں
نظارے ہی نظارے ہیں پہاڑوں ، کہکشاؤں میں
ہر اک کی اب زباں پہ آج یہ ہی تان ہے پیارے
یہ پاکستان ہے پیارے ، یہ پاکستان ہے پیارے

سندھی ، بلوچی ہو کہ پنجابی ہو یا پٹھان
اُس کا وزیر ہو یا گورنر ہو یا دہقان
دھرتی پہ اس کے سب کو ملی امان ہے پیارے
یہ پاکستان ہے پیارے ، یہ پاکستان ہے پیارے

تحفظ اس کو دیتے ہیں ، جو فوجی جنگ کے ماہر ہیں
شکستِ فاش دینے کے بھرے سب ان میں جوہر ہیں
وہ سب ہیں تیر اس کے اور یہ کمان ہے پیارے
یہ پاکستان ہے پیارے ، یہ پاکستان ہے پیارے

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی

مچھر سے پاک دنیا کا واحد ملک

دنیا میں انسان کو بے حد تکلیفیں اور پریشانیاں لاحق ہیں۔ ان میں ایک مچھروں کا عذاب بھی ہے۔ مچھر دنیا میں ہر جگہ پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ ریگستان میں بھی ہوتا ہے۔ صرف آئس لینڈ ایسا ملک ہے، جہاں ایک بھی مچھر نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ مچھروں کو صرف تصویروں اور فلموں ہی میں دیکھتے ہیں۔ یہاں مچھر کی غیر موجودی کے بارے میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ کچھ ماہرین کہتے ہیں کہ اس کی وجہ ملک کی مخصوص آب و ہوا اور شدید موسم ہے، جو سال میں تین بار منجمد ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آئس لینڈ کی مٹی اور ماحول کی مخصوص کیمیائی ساخت ہے، جس کی وجہ سے مچھر کی نشو و نما یہاں ممکن نہیں ہے۔

آٹھ سالہ لمبا بچہ

اگر کسی بچے کا قد اس کی عمر کے تناسب سے نہیں بڑھ رہا ہو تو والدین پریشان ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ بھارت کے شہر میرٹھ کا ایک آٹھ سالہ بچہ ''کرن'' تیزی سے لمبا ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کا قد چھے فیٹ چھے انچ ہے۔ انسان کا قد عموماً ۲۰/ ۲۵ سال تک بڑھتا رہتا ہے۔ اس بچے کی والدہ ''شو-تھلینا'' بھارت کی سب سے طویل القامت خاتون ہیں، جن کا قد سات فیٹ دو انچ ہے۔ لگتا ہے، کرن بڑے ہو کر اپنی ماں کا نام روشن کرے گا۔ کرن باسکٹ بال شوق سے کھیلتا ہے۔ کرن اور اس کی والدہ کے لیے تیار شدہ کپڑے نہیں ملتے، درزی سے خصوصی طور پر سلوانے پڑتے ہیں۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

حسن ذکی کاظمی

چینی کے برتن بنانے والی مشہور کمپنی علی سنز کے مینجنگ ڈائریکٹر شیخ مبارک علی اپنے دفتر میں بیٹھے ضروری فائل دیکھنے میں مصروف تھے کہ سیکرٹری نے کسی ملاقاتی کے آنے کی اطلاع دی۔ شیخ صاحب نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: ''ٹھیک ہے، ابھی میرے جانے میں آدھا گھنٹا ہے، انھیں اندر لے آیئے۔''

ملاقات کے لیے آنے والے صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو شیخ صاحب نے چند سیکنڈ تک غور سے انھیں دیکھا اور ہاتھ ملانے کے بعد ان کی خیریت پوچھی۔ وہ صاحب سامنے والے کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ شیخ صاحب بولے: ''بھئی، اس بار تو کافی دن کے بعد
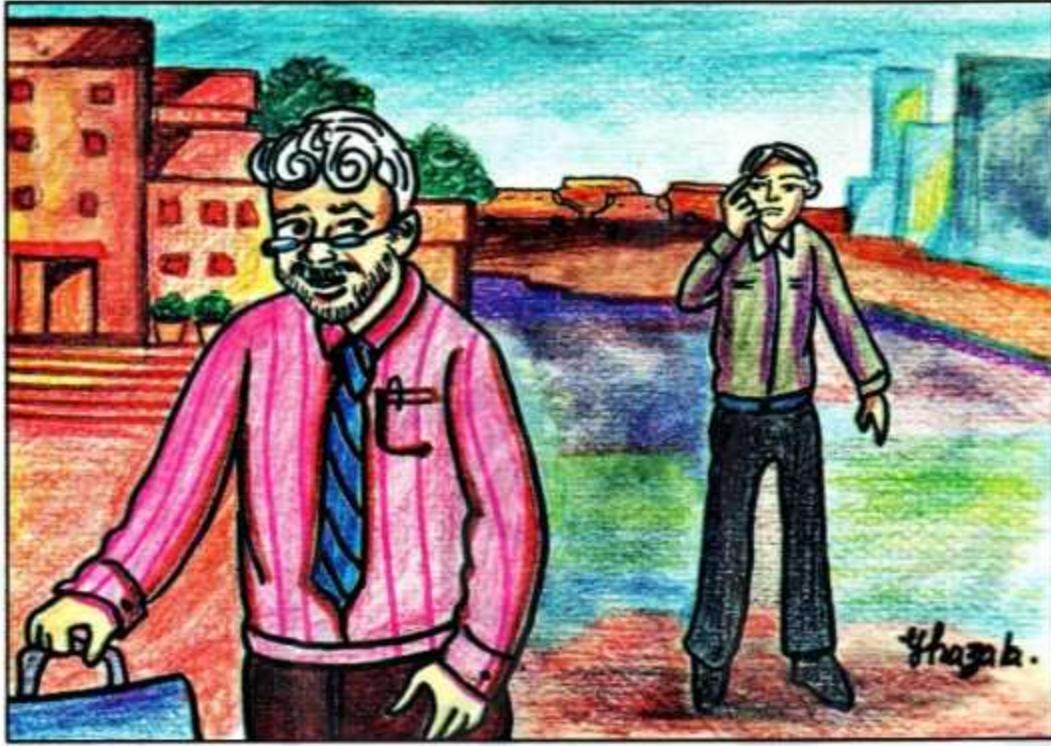
ملاقات ہورہی ہے۔ کیا بہت مصروف رہے؟''

جواب ملا: ''شیخ صاحب! کاربار میں مصروفیت تو رہتی ہی ہے، لیکن دراصل وہ......''

شیخ صاحب نے بات کاٹی اور کہنے لگے: ''نہیں صاحب! یہ کاروباری مصروفیت کا بہانہ نہیں چلے گا۔ بھئی، ملتے رہا کیجیے۔ اچھا یہ بتایئے، فیکٹری کیسی چل رہی ہے؟''

ملاقات کے لیے آنے والے صاحب ذرا گھبرا کر بولے: ''شیخ صاحب! غالباً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری اور آپ کی تو یہ پہلی ملاقات ہے۔''

ملاقاتی کی اس بات پر شیخ صاحب کھسیانی ہنسی ہنسے اور کہنے لگے: ''اچھا تو یہ ہماری آپ کی پہلی ملاقات ہے۔ یعنی ہم کبھی ملے ہی نہیں، بہت خوب!''

آنے والے صاحب دوبارہ بولے: ''میں میلیسم ہوٹل کا منیجر ہوں۔ فرید احمد نام

ہے میرا۔ آپ سے آج صبح فون پر بات ہوئی تھی۔ ہمیں اپنے نئے ہوٹل کے لیے چینی کے برتن خریدنے ہیں۔ اگر آپ مجھے اپنے کسی ایسے کارکن سے ملوادیں جو مجھے کیٹلاگ دکھا سکے اور ضروری معلومات دے سکے تو میں شکر گزار رہوں گا۔''

شیخ مبارک علی نے فرید احمد کو تو اپنے بیٹے ندیم کے پاس بھیجا اور خود تھوڑی دیر بعد کار میں بیٹھ کر میٹنگ کے لیے روانہ ہو گئے۔ میٹنگ ختم ہونے کے بعد وہ ہوٹل سے باہر نکل کر کار کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ذرا دور سے آواز آئی: ''شیخ صاحب السلام علیکم! ارے جناب! کیا بہت جلدی میں ہیں؟''

شیخ صاحب نے مڑ کر دیکھا اور ٹھیر گئے۔ پھر آواز دینے والے صاحب کو غور سے دیکھتے ہوئے بولے: ''ارے میاں! جلدی کتنی ہی کیوں نہ ہو، لیکن آپ سے ملے بنا کیسے جا سکتے ہیں۔ بھئی، آخر آپ کے شہر میں رہنا ہے۔'' یہ کہہ کر شیخ صاحب ہنسے اور پھر کہنے لگے: ''اور سنایئے، آپ کے بھائی صاحبان کیسے ہیں؟''

وہ صاحب بولے: ''جی بھائی صاحبان تو نہیں، میرا تو بس ایک چھوٹا بھائی ہے۔''

شیخ صاحب جلدی سے بولے: ''جی ہاں، جی ہاں، بھلا انھیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ اچھا وہ امریکا سے واپس آ گئے یا ابھی وہیں کی سیر......''

ان صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا: ''نہیں، معین تو یہیں ہے۔ وہ تو امریکا گیا ہی نہیں۔''

شیخ صاحب نے بڑے اطمینان سے کہا: ''اچھا بہت خوب! تو گویا یہیں علاج کرا رہے ہیں؟''

جواب ملا: ''ارے صاحب! اللہ تعالیٰ اسے سلامت رکھے۔ وہ تو ماشاء اللہ بالکل

صحت مند ہے، بھلا چنگا۔ کیسا علاج اور کیسا امریکا؟''

یہ کہہ کر ان صاحب نے سلام کیا، ہاتھ ملایا اور رخصت ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ شیخ صاحب کی باتوں سے ان کا موڈ خاصا بگڑ گیا تھا اور وہ یہ بھی نہیں بتانا چاہتے تھے کہ وہ کون ہیں۔ ادھر شیخ صاحب بڑبڑاتے ہوئے اپنی کار کی طرف چلے۔

''ایک بھائی ہو یا دس۔ ہمیں کیا دے دیں گے۔ عجب زمانہ آ گیا ہے۔ لوگ بیماری کو بھی چھپاتے ہیں۔ ارے بھئی، سچی بات بتا دیں تو صحت کے لیے دعا ہی کریں گے، لیکن وہ تو کہتے ہیں کہ بھلا چنگا ہے۔ چلو، اللہ بھلا چنگا ہی رکھے۔'' پھر شیخ صاحب نے ذرا دیر سر کھجایا اور خود ہی خود کہنے لگے: ''اگر یہ سرور صاحب نہیں تھے تو پھر کون تھے! خیر ہوں گے کوئی، ہمیں کیا۔ اللہ ان کا بھلا کرے۔''

چند دن بعد شیخ صاحب دفتر سے گھر پہنچے تو دیکھا کہ باہر والے برآمدے میں کوئی صاحب

بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ شیخ صاحب کو انھوں نے بڑے ادب سے سلام کیا اور خیریت پوچھی۔ شیخ صاحب نے بھی بڑی محبت سے جواب دیا اور پاس والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ خیر و عافیت کے بعد شیخ صاحب کہنے لگے: ''آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں نواب زادہ صاحب! چلیے، اندر ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔ آپ نے تکلیف کی۔ مجھے فون کر دیتے، میں آ جاتا۔''

وہ صاحب بولے: ''شیخ صاحب! آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں کہاں کا نواب زادہ۔ بس گزارے کے لیے تھوڑی بہت زمین ہے۔ اللہ کا کرم ہے۔ دراصل میں تو اس وقت......''

شیخ صاحب نے ان کی بات سنی اَن سنی کی اور بیچ میں بول اُٹھے: ''ارے صاحب! ہمیں تو معلوم ہے کہ آپ خاندانی نواب ہیں۔ آپ کی عنایت ہے کہ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے۔ یقین جانیے میرا تو یہ حال ہے کہ:

وہ آئیں گھر ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ہائے، مجھے تو وہ زمانہ یاد ہے جب آپ اپنے والد مرحوم کی اُنگلی پکڑے......''

وہ صاحب تو جیسے اُچھل پڑے اور جلدی سے بولے: ''نہیں، شیخ صاحب! آپ کو کسی نے غلط بتایا میرے والد مرحوم...... لاحول ولا قوۃ...... میرا مطلب ہے میرے والد بزرگوار تو اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔ اللہ ان کا سایہ ہمارے سر پر قائم رکھے۔ دراصل انھوں نے ہی تو مجھے آپ کے صاحبزادے ندیم صاحب کے پاس بھیجا ہے۔''

شیخ صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بوکھلا گئے۔ کہنے لگے: ''بہت خوب! بہت خوب، تو ابھی تک زندہ ہیں۔ ہاں صاحب، کیوں نہیں۔ والدین کا سایہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ انھیں زندگی دے۔''

یہ کہہ کر شیخ صاحب کچھ شرمندہ شرمندہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے جانا ہی چاہتے تھے کہ ندیم باہر نکل آیا۔ آنے والے صاحب سے سلام علیک کے بعد اس نے شیخ صاحب سے ان کا تعارف کرایا۔

''ابا میاں! یہ سلمان ہیں۔ کیمبل پور والے آغا صاحب کے بیٹے۔ یہ ایک کنٹریکٹ کے سلسلے میں آئے ہیں۔ ان سے ذرا بات کرلوں۔ کل آپ کو بتاؤں گا۔ سلمان! معاف کرنا۔ میں دفتر سے آنے کے بعد نہا رہا تھا۔ باہر آنے میں دیر ہوگئی۔ چلو، اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔''

شیخ صاحب نے شرمندگی پر قابو پاتے ہوئے کہا: ''سلمان میاں! یہ بتاؤ، آغا صاحب کیسے ہیں؟ کبھی ہمیں بھی یاد کرتے ہیں؟''

سلمان سے دو چار باتیں کر کے اور آغا صاحب کو سلام پہنچانے کی تاکید کر کے شیخ صاحب تو اندر چلے گئے اور ندیم، سلمان کو ڈرائنگ روم میں لے کر جانے کے بجائے لان میں جا بیٹھا۔ دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے۔ کاروبار کی بات ختم ہوئی تو خاندان اور پرانے دوستوں کا ذکر شروع ہوا۔ اچانک سلمان کہنے لگا: ''شیخ صاحب نے مجھے پہچانا نہیں، حال آنکہ ابھی سال بھر پہلے ملاقات ہوئی تھی!''

ندیم نے گردن ہلاتے ہوئے کہا: ''ہاں، یہ بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ تمھیں تو سال بعد دیکھا ہے۔ وہ تو اب چند مہینے، بلکہ اکثر تو چند ہفتے پہلے کی ملاقات بھی بھول جاتے ہیں اور چہرے بھی ان کے ذہن میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تمھیں نہیں پہچانے ہوں گے، اسی لیے تو میں نے تمھارا تعارف کرایا تھا۔''

سلمان نے کچھ پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''یہ تو بڑا مسئلہ ہوجائے گا تم لوگوں کے لیے......''

ندیم نے بڑی اُداسی سے کہا: ''ہوجائے گا نہیں، ہوگیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر ابا میاں کی یادداشت یونھی خراب ہوتی رہی تو خود ان کے لیے اور خاندان والوں کے لیے بے حد مشکل ہوجائے گی۔ ادھر کاروبار پر بھی اس کا بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ ہر شخص تو یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ ایک بیماری ہے۔ بعض لوگ بُرا مان جاتے ہیں کہ انھیں ابا میاں نے پہچانا نہیں۔ انھیں بار بار تعارف کرانا پڑتا ہے۔ کبھی کوئی بات انھیں بُری لگ جاتی ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ کاروبار سے علاحدہ ہو کر گھر پر بیٹھے رہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی صحت پر اس کا اور بھی بُرا اثر پڑے۔ دوسری بات یہ کہ مجھے ان کی رائے مشورے کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ ان کا دفتر میں بیٹھا رہنا ہی بہت ہے۔''

سلمان، ندیم کی باتیں بہت غور سے سنتا اور سر ہلاتا رہا۔ ندیم نے بات پوری کی تو وہ بولا: ''اللہ مالک ہے، گھبراؤ نہیں۔ آج کل سائنس کی ترقی نے ہر مسئلے کا حل بتا دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رپورٹ برطانیہ میں شائع ہوئی تھی۔ میں نے اخبار میں یہ رپورٹ پڑھی تھی۔ اس وقت میں لندن میں تھا۔ میں نے اخبار کا تراشہ بھی رکھ لیا تھا۔ تلاش کرنا پڑے گا۔ مل گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ انٹرنیٹ سے مدد لوں گا یا پھر کسی سے فون پر لندن بات کروں گا اس کے بارے میں۔ میں تمھیں تفصیل سے ہفتے دس دن میں بتاؤں گا۔''

سلمان تو کیمبل پور روانہ ہوگیا، لیکن ندیم نے اسی دن سے کوشش کرنی شروع کردی کہ اسے اپنے والد کے علاج کے لیے جلد از جلد معلومات حاصل ہوں، لیکن اس نے شیخ صاحب کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔ البتہ یہ احتیاط شروع کردی کہ ملاقات کے لیے آنے والوں کو وہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنے ہی کمرے میں بلاتا اور شیخ صاحب کے پاس صرف ضروری کاغذات اور فائلیں بھیجتا۔

ایک دن ندیم اپنے کمرے میں بیٹھا کسی مہمان سے باتیں کر رہا تھا کہ شیخ صاحب

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے اور کہنے لگے: ''اچھا ندیم بیٹے! میں کلب جا رہا ہوں اور وہاں سے گھر چلا جاؤں گا۔ تم کام کا خیال رکھنا۔''

ندیم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: ''جی بہتر ہے۔''

مہمان بھی کھڑے ہو گئے اور شیخ صاحب کو سلام کر کے ان سے ہاتھ ملایا۔ ندیم ان کا تعارف کرانے لگا تو شیخ صاحب نے بات کاٹ دی: ''ہاں ہاں، میں خوب واقف ہوں۔ آپ سے تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ ابھی عید کے موقعے پر تو ملے تھے، کیوں جناب! میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

مہمان نے جواب دیا: ''جی ہاں! بالکل درست فرما رہے ہیں آپ۔ عید کے دن ملاقات ہوئی تھی۔''

شیخ صاحب نے ندیم اور مہمان سے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ پھر چند لمحے بعد بولے: ''بھئی، بہت اچھی تقریب رہی۔ کافی لوگ آ گئے تھے۔ کھانا بھی اچھا تھا اور تفریحی پروگرام بھی بہت اچھا رہا۔''

مہمان نے کہا: ''جی ہاں، کلب کی تقریب ہمیشہ بہت اچھی رہتی ہے۔ دراصل پروگرام کافی محنت اور توجہ سے تیار کیا جاتا ہے۔''

شیخ صاحب نے دو چار باتیں اور کیں اور چلے گئے۔ ندیم کو کچھ حیرت بھی تھی اور خوشی بھی کہ شیخ صاحب نے مہمان کو پہچان لیا۔ اس کو خیال ہوا کہ چہروں کو بھول جانے کی جو بیماری شیخ صاحب کو ہو گئی تھی، اس میں افاقہ ہو رہا ہے۔

رات کو گھر کے سب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے کھانا کھانے اور باتوں میں مصروف تھے کہ شیخ صاحب نے بیٹے سے پوچھا: ''بھئی ندیم میاں! تمھارے وہ دوست جو آج دفتر

میں ملے تھے، باقاعدہ گاتے ہیں یا شوقیہ فنکار ہیں۔''

ندیم نے ہنس کر کہا: ''ابا میاں! کس کی بات کر رہے ہیں! وہ سلیم ہے۔ اس کی آواز پھٹے بانس سے بھی گئی گزری ہے۔ وہ کیا گائے گا؟''

شیخ صاحب حیران ہو کر بولے: ''اچھا! میں شاید بھول گیا۔ ہاں یاد آیا، یہ سلیم صاحب تو وہ تھے جو اپنے ہیٹ سے کبوتر نکال رہے تھے اور جنھوں نے ڈبے میں ایک رومال ڈال کر دس رومال نکالے تھے۔ بھئی، اپنے کمالات سے انھوں نے بچوں کو تو حیران کر دیا تھا۔''

''ابا میاں! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ سلیم تو بجلی کے سامان کا کاروبار کرتا ہے اور اس کا دفتر ہمارے دفتر کے قریب ہے۔ نہ وہ گاتا ہے اور نہ کرتب دکھاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ عید والی تقریب میں موجود تھا اور آپ سے ملاقات بھی ہوئی تھی، بلکہ وہ آپ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔''

ندیم ے شیخ صاحب کو یاد دلایا اور سوچنے لگا: بڑا اچھا ہوا کہ ابا میاں نے یہ باتیں سلیم کے منھ پر نہیں کہہ دیں، ورنہ بڑی شرمندگی ہوتی۔

ندیم نے شیخ صاحب کے بارے میں ملک کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ ان کے علاج سے شیخ صاحب کی یادداشت ٹھیک نہیں ہوئی تو اور خراب بھی نہیں ہوئی۔ ویسے بھی شیخ صاحب کی یادداشت ہر لحاظ سے ٹھیک ہی تھی، سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کے چہرے اور نام بھول جاتے تھے۔ بہر حال علاج معالجے سے شیخ صاحب پر کچھ نہ کچھ اچھا اثر ضرور پڑ رہا تھا۔ اس دوران میں ندیم کا دوست سلمان بھی وہ باتیں معلوم کرنے میں کام یاب ہو گیا، جنھیں معلوم کرنے کی وہ کوشش کر رہا تھا۔ اچانک سلمان کو اپنے کاروبار کے سلسلے میں امریکا جانا پڑا۔ وہاں سے لوٹا تو وہ شیخ صاحب کے لیے ایک تحفہ لایا، جو اس نے ندیم کو دے دیا۔

رات کو کھانے کے بعد باپ بیٹے میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ندیم، شیخ صاحب کو کچھ سمجھاتا رہا اور بار بار کوئی چیز دکھاتا رہا۔ آخر میں شیخ صاحب نے کہا: ''اچھا بھئی، میں چلا۔ بڑے زور کی نیند آ رہی ہے۔ تم کہتے ہو تو کل سے یہ تجربہ بھی کر دیکھتے ہیں۔ حرج ہی کیا ہے؟''

دوسرے دن سے تجربہ شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اندازہ ہوا کہ تجربہ کافی کام یاب ہو رہا ہے۔ شیخ صاحب ایک دن اپنے ایک دوست کے ساتھ کلب میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ سامنے سے ایک صاحب گزرے، جنھوں نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں سلام کیا۔ شیخ صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے انھیں غور سے دیکھا اور گرم جوشی سے کہا: ''ارے بھئی فرید احمد صاحب! کیا حال ہیں؟ خیریت تو ہے؟''

فرید احمد نے قریب آ کر کہا: ''آپ کی دعا ہے شیخ صاحب! اللہ کا بڑا کرم ہے۔''

شیخ صاحب نے انھیں کرسی پیش کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا اور بولے: ''اور میاں! میلیسیم ہوٹل کی سنائیے، کیسا چل رہا ہے؟''

فرید احمد نے بیٹھتے ہوئے کہا: ''شیخ صاحب! مقابلہ سخت ہے، لیکن میں مطمئن ہوں۔ کام فرسٹ کلاس جا رہا ہے۔ آپ دعا کرتے رہیے اور ہاں شیخ صاحب! مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ آپ نے آج مجھے پہچان لیا۔ نام بھی یاد رکھا اور میرا کام بھی، ورنہ پچھلی تین ملاقاتوں میں تو ہر بار تعارف کرانا پڑتا تھا۔''

شیخ صاحب نے بات ٹالنے کے لیے قہقہہ لگایا اور بولے: ''بھئی فرید میاں! چاہے نام بھول جاؤں تمھارا، لیکن کام نہیں بھولوں گا، یعنی یہ کہ آپ ہوٹل کے منیجر ہیں۔ میں تو گھر والوں سمیت دعوت کھانے آنے والا ہوں آپ کے ہاں۔''

فرید احمد بولے: ''ضرور آئیے، ضرور آئیے، ہماری خوش قسمتی ہوگی۔''

یہ کہہ کر فرید احمد تو ہنستے ہوئے چل دیے، لیکن شیخ صاحب کے دوست ان کے پیچھے پڑ گئے: ''بھئی! یقین جانو میں تو ڈرنے لگا تھا کہ کسی دن میں ملنے آؤں اور تم پوچھنے لگو کہ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ چلو، اوروں کو نہ سہی مجھے تو بتاؤ کہ یہ معجزہ کیا ہوا؟ میں کسی کو بتانے تھوڑی جا رہا ہوں۔''

شیخ صاحب نے دیکھا کہ ان کے دوست جانے بغیر نہیں مانیں گے تو کہنے لگے: ''بھائی! مختصر بات کروں گا۔ امریکا کے ایک سائنسی ادارے نے جو ''میساچوسٹس'' میں کام کر رہا تھا، ایک ایسا ننھا سا کیمرا بنانے کا منصوبہ بنایا، جسے آسانی سے جیکٹ یا کوٹ کے کالر میں یا قمیص کے جیب کے اوپر لگایا جا سکے اور یہ کمپیوٹرائزڈ ہو۔ سائنس داں اس کیمرے سے یہ کام لینا چاہتے تھے کہ جب کوئی شخص اس آدمی سے ملنے آئے، جس کے لباس پر یہ کیمرا نصب ہے تو اس آدمی کی شکل، ملاقات کی جگہ اور ایک دو خاص باتیں کیمرے کے کمپیوٹر میں محفوظ ہو جائیں۔ جب بھی اس آدمی کی اس شخص سے اگلی ملاقات ہو، کمپیوٹر اپنا سارا رکارڈ چند سیکنڈ میں کھنگال ڈالے اور اس آدمی کے کان میں لگے ہوئے ایک آلے کے ذریعے سے اسے بتائے کہ یہ فلاں شخص ہے، فلاں جگہ ملا تھا، فلاں کام کرتا ہے۔ پھر اس بات کا امکان ہے کہ اس آدمی کو اس شخص کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی یاد آ جائیں اور اگر کچھ اور باتیں نہ بھی یاد آئیں تو کم از کم اس کا نام اور پچھلی ملاقات کی جگہ تو معلوم ہو ہی جائے گی۔ دیکھو یہ کیمرا ہے، جو بٹن کی طرح میرے کالر میں لگا ہے اور یہ بالکل چھوٹا سا آلہ کان کا ہے۔ ان دونوں کا آپس میں تعلق ہے۔ یہ منصوبہ بہت پہلے بنا تھا، لیکن یہ کیمرا پچھلے سال بنا اور اس کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اللہ بھلا کرے آغا صاحب کے بیٹے سلمان کا، جس نے میری مدد کی۔''

شیخ صاحب کے دوست حیران ہو کر ننھے سے کیمرے کو دیکھتے رہے اور بولے: ''شیخ صاحب!

میرا خیال ہے اس کیمرے سے تو اور بھی، بہت سے کام لیے جاسکتے ہیں، جاسوسی واسوسی کے۔''

شیخ صاحب نے کہا: ''ہاں، یہ تو ابتدا ہے۔ ظاہر ہے اسے بہتر بنایا جائے گا۔ میرے ساتھ تو یہ ہوا کہ تیسری ملاقات تک تو میں فرید احمد کو نہیں پہچانا، کیوں کہ یہ کیمرا نہیں آیا تھا، لیکن اس تیسری ملاقات میں ان کی شکل اور اتا پتا کیمرے نے اپنی یادداشت میں محفوظ کرلیا۔ اب آج جو چوتھی ملاقات ہوئی تو ان کے سامنے آتے ہی اس آلے نے ساری بات مجھے یاد دلا دی۔''

دوست مسکرائے اور کہنے لگے: ''کیا زمانہ آ گیا ہے، یعنی ہم کمپیوٹر کی یادداشت کے محتاج ہو گئے، لیکن بھائی! اللہ کے واسطے بھائی، بچوں اور ہم جیسے دوستوں کو تو کمپیوٹر کی مدد سے نہ پہچاننا۔ اپنی یادداشت سے ہی پہچان لینا، کیوں کہ کیمرا صورت تو پہچان لے گا، لیکن اس کا دل سے تو کوئی تعلق نہیں ہوگا، صرف ایک مشینی تعلق رہ جائے گا۔''

شیخ صاحب کھڑے ہوتے ہوئے بولے: ''بھائی! کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کیا کیا ہوگا۔ یہ کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ کون جانے ایک دن ہمارا سارا دماغ ہی کمپیوٹرائزڈ ہو جائے، ہم سب چلتی پھرتی مشینیں بن جائیں اور محبت کے رشتے ختم ہو جائیں۔'' ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۵ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- اگست ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

ہنسی گھر

ننھے مزاح نگار

😊 کرکٹ میچ ہو رہا تھا۔ اسٹیڈیم کے دروازے پر پاس دکھا کر ایک لڑکا اندر جانے لگا تو گیٹ کیپر نے کہا: ''یہ تمھارا پاس تو نہیں ہے۔''

''یہ میرے والد صاحب کا ہے۔''

''وہ کیوں نہیں آئے؟''

''وہ بہت مصروف ہیں۔''

''کیا کررہے ہیں؟''

''اپنا پاس ڈھونڈ رہے ہیں۔''

مرسلہ: حامد قمر، ملتان

😊 ایک آدمی اخبار پڑھ کر رو رہا تھا۔ دوسرے شخص نے پوچھا: ''کیا اخبار میں کوئی بُری خبر چھپی ہے، جو اس طرح رو رہے ہو۔''

پہلے شخص نے جواب دیا: ''اخبار میں ایک مضمون چھپا ہے، جس کا عنوان ہے، رونے کے فائدے۔''

مرسلہ: حسین علی، جعفر آباد

😊 ایک صاحب کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ان کا کوئی پرانا واقف کار مل گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا: ''کمال ہے صاحب! آپ زندہ ہیں۔ میرا خیال تھا کہ شاید آپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔''

''خوب'' ان صاحب نے حیرت سے پوچھا: ''یہ خوش فہمی آپ کو کیوں ہوئی؟''

''بات یہ ہے کہ کل آپ کا پڑوسی مل گیا تھا اور وہ آپ کی بڑی تعریف کر رہا تھا۔'' دوست نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

مرسلہ: رشید احمد، سیالکوٹ

😊 ایک ہندو مزاحیہ اداکار نے نجومی سے پوچھا: ''کیا میں اگلے جنم میں گدھا بن سکتا ہوں؟''

نجومی نے جواب دیا: ''ایک ہی روپ بار بار نہیں ملتا۔''

مرسلہ: ندیم احسان، حیدر آباد

😊دروازے پر دستک ہوئی۔ صاحب باہر آئے تو دیکھا کہ دھوبی کھڑا ہے۔ دھوبی نے کہا: ''یہ سو کا نوٹ آپ کے کپڑوں میں تھا۔''

''تم رکھ لو، یہ جعلی ہے۔''

''اسی لیے تو واپس کرنے آیا ہوں۔''

مرسلہ : ماہ نور اشعر، دستگیر

😊ایک پولیس والے نے ملزم سے کہا: ''تمھیں معلوم ہے کہ اگر تم جھوٹ بولو گے تو کہاں جانا ہوگا؟''

ملزم نے جواب دیا: ''جی ہاں، معلوم ہے، دوزخ میں جانا ہوگا۔''

پولیس افسر نے کہا: ''اگر سچ بولو گے تو؟''

ملزم نے کہا: ''جناب! جیل میں۔''

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

😊ایک غریب شخص اپنے مکان کا کرایہ نہیں دیتا تھا۔

مالک مکان: ''میں صرف چار دن کی مہلت دیتا ہوں اور ان چار دنوں میں تمھیں میرا مکان خالی کرنا ہوگا۔''

کرایے دار: ''ٹھیک ہے، پانچ فروری، چودہ اگست، گیارہ ستمبر اور پچیس دسمبر، یہ چار دن گزر جائیں تو میں آپ کا مکان خالی کر دوں گا۔''

مرسلہ : حلیمہ صابر اعوان، ہری پور

😊آدمی: ''بھائی! آج سموسہ ٹھیک نہیں تھا، کل والا ٹھیک تھا۔''

دکان دار: ''یہ کل والا ہی تو تھا۔''

مرسلہ : حافظ محمد اشرف، حاصل پور

😊ایک عورت نے پہلی بار سائیکل دیکھی تو بھاگتی ہوئی گھر آئی اور اپنے بچوں سے کہنے لگی: ''بچو! باہر نہ نکلنا، ایک خطرناک بلا نے ایک آدمی کو پکڑ لیا ہے۔ وہ بہت لاتیں مار رہا ہے، مگر بلا اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔''

مرسلہ : محمد احمد غزنوی، ریحان پور شریف

😊بیوی شوہر سے بولی: ''میں پڑوس میں جا رہی ہوں۔ دس منٹ بعد ہانڈی چولھے سے اُتار لیں اور ایک گھنٹے بعد منے کو فیڈر دے دیجیے گا۔''

شوہر: ''ٹھیک ہے، لیکن تم کب تک آؤ گی؟''

بیوی: ''بس میں پانچ منٹ میں آئی۔''

مرسلہ : محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا

😊استاد نے گھر پر کام کرنے کے لیے دیتے ہوئے کہا: ''سستی کیا ہے، اس پر ہر لڑکا تین جملے لکھ لائے۔''

دوسرے دن استاد نے ایک کاپی اُٹھائی۔ اس میں پہلی سطر میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ دوسری میں بھی کچھ نہیں تھا۔ تیسری سطر میں لکھا تھا: ''یہ ہے سستی۔''

مرسلہ : محمد سجاد ملک، حیدرآباد

😊دو نشے باز چھت پر سو رہے تھے۔ بارش شروع ہوئی۔ پہلا: ''اُٹھو، اندر چلو، آسمان میں سوراخ ہو گیا ہے۔''

بجلی چمکی تو دوسرا بولا: ''چلو سو جاؤ، ویلڈنگ والے بھی آ گئے ہیں۔''

مرسلہ : اریبہ افروز، بفرزون

😊ڈاکو، مسافر سے: ''رقم دو گے یا جان؟''

مسافر: ''جان لے لو، رقم میرے بڑھاپے کا سہارا ہے۔''

مرسلہ : حافظ وقاص رؤف، صادق آباد

😊ایک بے وقوف نے دوسرے بے وقوف سے کہا: ''ایک چیونٹی اور ہاتھی موٹر سائیکل پر سیر کو جا رہے تھے۔ چیونٹی موٹر سائیکل چلا رہی تھی اور ہاتھی پیچھے بیٹھا تھا۔ راستے میں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ہاتھی بہت زخمی ہوا، لیکن چیونٹی کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ بتاؤ کیوں؟''

دوسرا بے وقوف سوچتے ہوئے: ''کیوں کہ چیونٹی نے ہیلمٹ پہنا ہوا تھا۔''

مرسلہ : طوبیٰ بنت عبدالرؤف قریشی، ملیر

😊بادشاہ نے اپنے درباری سے کہا: ''رات میں نے خواب میں دیکھا کہ تم گندے پانی میں اور میں شہد میں نہا رہا ہوں۔''

مسخرے نے فوراً جواب دیا: ''حضور! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آپ کو اور آپ مجھے چاٹ رہے ہیں۔''

مرسلہ : نبیل احمد محمد علی، جگہ نامعلوم

انعامی سلسلہ ۲۶۰

معلوماتِ افزا

سلیم فرخی

اس بار معلومات افزا کے سلسلے میں صرف ۱۲ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم ۸ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے ۱۲ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۲ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ ۸ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ اگست ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ قبلِ اسلام لڑی جانے والی جنگ "حربِ فجار" میں حضورِ اکرمؐ نے .... سال کی عمر میں حصہ لیا تھا۔ (۱۲ ۔ ۱۵ ۔ ۱۸)

۲۔ زبیر بن عوامؓ کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے .... تھے۔ (بھتیجے ۔ بھانجے ۔ نواسے)

۳۔ "شیرِ بنگال" .... کو کہا جاتا ہے۔ (خواجہ ناظم الدین ۔ حسین شہید سہروردی ۔ مولوی فضل الحق)

۴۔ .... کی کھدائی کا آغاز ۴۔ نومبر ۱۹۶۸ء کو ہوا تھا۔ (تربیلا ڈیم ۔ وارسک ڈیم ۔ منگلا ڈیم)

۵۔ سلطان شہاب الدین غوری اور پرتھوی راج چوہان کے درمیان جنگِ تراوڑی .... میں ہوئی تھی۔ (۱۱۸۷ء ۔ ۱۱۹۱ء ۔ ۱۰۹۶ء)

۶۔ اسکاٹ لینڈ کا قومی کھیل .... ہے۔ (پولو ۔ گولف ۔ اسکیٹنگ)

۷۔ جب پاکستان میں صبح کے چھے بجتے ہیں تو یورپ کے ملک البانیہ میں رات کے .... بجے کا وقت ہوتا ہے۔ (ایک ۔ دو ۔ تین)

۸۔ بولیویا، براعظم .... کا ایک ملک ہے۔ (شمالی امریکا ۔ جنوبی امریکا ۔ آسٹریلیا)

۹۔ جنوب مغربی ایشیا کے ملک آذربائیجان کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (بھات ۔ منات ۔ کیات)

۱۰۔ "CUSTARD APPLE" انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (آلوچے ۔ شریفے ۔ چکوترے)

۱۱۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: "آنکھوں پر .... باندھنا" (دھجی ۔ ڈوری ۔ پٹی)

۱۲۔ مولوی اسماعیل میرٹھی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ — اپنے .... کی فکر کر جھٹ پٹ (نکلنے ۔ بچنے ۔ بھاگنے)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۶۰ (اگست ۲۰۱۷ء)

نام: ....

پتا: ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ اگست ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (اگست ۲۰۱۷ء)

عنوان: ....

نام: ....

پتا: ....

....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ اگست ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

بیت بازی

گیا شیطان مارا، ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

شاعر : ذوق　　پسند : علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

محمدؐ رہنمائے اِنس و جاں ہے
رسولِ کبریائے دو جہاں ہے

شاعر : گوبند پرشاد فضا　　پسند : ڈاکٹر فرازیہ اقبال، عزیز آباد

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شاعر : علامہ اقبال　　پسند : شائلہ ذیشان، ملیر

زندگی کے اُداس لمحوں میں
بے وفا دوست یاد آتے ہیں

شاعر : عبدالحمید عدمؔ　　پسند : آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو

وہ جس کی روشنی کچے گھروں تک بھی پہنچتی ہے
نہ وہ سورج نکلتا ہے، نہ اپنے دن بدلتے ہیں

شاعر : حبیب جالبؔ　　پسند : عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

ضبطِ غم اس قدر آساں نہیں فرازؔ
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو، جو پیے جاتے ہیں

شاعر : احمد فراز　　پسند : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

انسان کے پہلو میں دل ہے کہ پتھر
ہر ظلم کو دیکھ کر جو خاموش رہا ہے

شاعر : قتیل شفائی　　پسند : ثاقب محمود جنجوعہ، پنڈ دادن خان

جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیرؔ
غم سے پتھر ہو گیا، لیکن کبھی رویا نہیں

شاعر : منیر نیازی　　پسند : محمد منیر نواز، ناظم آباد

میں ایسے شخص کو زندوں میں کیا شمار کروں
جو سوچتا بھی نہیں، خواب دیکھتا بھی نہیں

شاعر : پیرزادہ قاسم　　پسند : عائشہ صدیق، دیگھر

میں اپنے دشمنوں سے بھی عداوت نہیں کر سکتا
خود اپنے قاتلوں کو مسکرا کے چھوڑ دیتا ہوں

شاعر : ناصر زیدی　　پسند : محمد علی بن منیر خان، کراچی

کہا ساتھی کوئی دکھ درد کا تیار کرتا ہے
جواب آیا کہ یہ دریا اکیلے پار کرنا ہے

شاعر : عدیم ہاشمی　　پسند : روبینہ ناز، کراچی

یہ مجھ میں اتنی بغاوت کہاں سے آئی ہے
جو ایک آن میں "ہاں" سے "نہیں" پر آ گیا ہوں

شاعر : ظفر اقبال　　پسند : خرم احمد خان، نارتھ کراچی

پتھروں کے اس مکان کو گھر کیسے کہوں
کوئی تو ہو، جو مکان کو گھر بنانے آئے

شاعر : عمارہ شفیق　　پسند : احمد رضا عطاری، جگہ نامعلوم

دل میں میرے بھی یقیں اور گماں ساتھ رہے
جیسے انکار تیرے لب پہ ہے اقرار کے ساتھ

شاعر : معیت فریدی　　پسند : انعم سبحان، کراچی

ہنڈ کلیا

چکن تکہ پیزا (بغیر اوون کے)

مرسلہ : سمیہ وسیم، سکھر

شیرمال : ایک عدد / مرغی کے سینے کا گوشت : ۲۵۰ گرام / پنیر سخت : حسبِ ضرورت
ٹماٹر (درمیانی) : ایک عدد / تکہ مسالا : ایک پیکٹ / پیاز (چھوٹی) : آدھی
شملہ مرچ (بڑی) : آدھی / تیل : دو کھانے کے چمچے / کیچپ : تین کھانے کے چمچے
ادرک : چھوٹی سی / لہسن (درمیانی) : ایک جوا / سویا ساس، سرکہ اور چلی ساس : ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: سب سے پہلے مرغی کو اُبال کر موٹے موٹے ریشے کرلیں۔ آدھا ٹماٹر اور ادرک، لہسن کا پیسٹ بنا کر مرغی میں شامل کرلیں۔ اس کے بعد تکہ مسالا ایک تہائی پیکٹ اور ایک کھانے کا چمچہ سویا ساس، چلی ساس، سرکہ اور ایک کھانے کا چمچہ تیل شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ ایک چولھے پر ہلکی آنچ میں بھگونا گرم کریں اور دوسرے چولھے پر توا گرم کریں۔ ایک بڑی پلیٹ پر تیل لگا کر اس پر شیرمال رکھ دیں۔ اس پر پہلے کیچپ کی تہ اور پھر چکن کی تہ لگائیں۔ آدھا ٹماٹر، آدھی پیاز اور آدھی شملہ مرچ چوکور کٹی ہوئی اس پر پھیلا دیں، پھر پنیر کو کدوکش کر کے اس پر پھیلا دیں اور پلیٹ کو توے پر رکھ دیں اور گرم کیا ہوا بھگونا پلیٹ پر اُلٹا کر کے ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک سینک لیں، پھر اس میں چھری کی مدد سے دیکھیں کہ روٹی چپک تو نہیں رہی، اگر نہ چپکے تو سمجھ لیں تیار ہے۔ مزے دار چکن تکہ پیزا کیچپ سے تناول فرمائیں۔

کیک

مرسلہ : سیدہ ہاجرہ ریحان، اسلام آباد

میدہ : ایک کپ / چینی : ایک کپ / دودھ : آدھا کپ / انڈا : ایک عدد
بیکنگ سوڈا : ایک چوتھائی چائے کا چمچہ / بیکنگ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : ایک چٹکی تیل : آدھا کپ

ترکیب: چینی، بیکنگ پاؤڈر، سوڈا اور نمک پیس کر تین مرتبہ چھان لیں۔ انڈے کو اچھی طرح پھینٹیں۔ پھر اس میں تیل ڈال کر پھینٹیں۔ آخر میں دودھ ڈال کر پھینٹیں۔ پھر اس میں چھنی ہوئی خشک چیزیں ملالیں۔ اوون کو گرم کرلیں۔ یہ آمیزہ برتن میں ڈال کر اوون میں رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے میں مزے دار کیک تیار ہو جائے گا۔ ☆

نونہال مصور

سرسید احمد خان
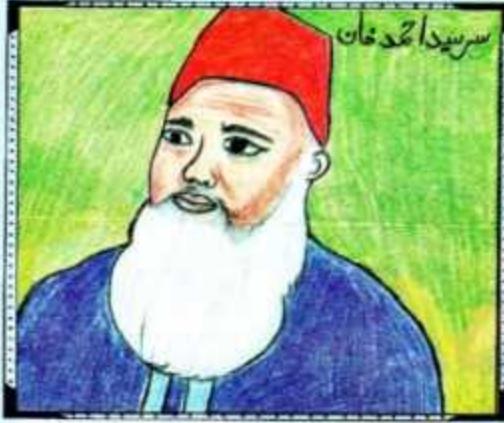
فرح عمیر، کراچی

اُمِ ایمن، چشمہ، میانوالی

محمد حذیفہ جمال، طارق روڈ

حنظلہ احمد صدیقی، کورنگی
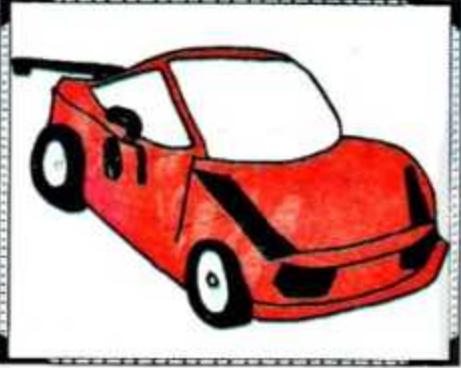
محمد اسد سمیع، ڈیرہ غازی خان
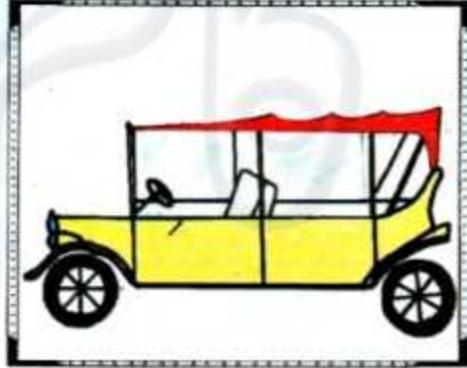
الباطروس

ظفر شمیم

یہ خوب صورت آبی پرندے الباطروس (ALBATROSS) ہیں۔

یہ لمبے بازوؤں والا بحری پرندہ ہے۔ یہ بطریل کا ہم نسل ہے، جو بحرالکاہل اور بحر جنوبی کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔

ایک دن میں ۵۰۰ میل تک اُڑنا ان کے لیے معمولی سی بات ہے۔ اس ریکارڈ کے بل بوتے پر یہ پرندوں کے شہنشاہ شاہین سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ ایک گھنٹے میں ۷۰ سے ۸۰ میل اُڑنا اور برفانی دنیا پر راج کرنا ان کے لیے معمولی سی بات ہے۔ مچھلیاں اور دیگر سمندری جانور ان کی من پسند خوراک ہے۔ الباطروس کو قادوس بھی کہتے ہیں۔ ☆

مسکراتی لکیریں

ایک دوست: ''گرمی کا ایک فائدہ تو ہے۔''

دوسرا دوست: ''وہ کیا ہے؟''

پہلا دوست: ''سردی نہیں لگتی۔''

لطیفہ : عبدالرافع، لیاقت آباد

اجنبی دوست

شاہین طارق

میرا نام عبدالقدوس ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میں نوجوان تھا۔ میرے والد کا تبادلہ دوسرے شہر میں ہوا تو ہم نئے شہر آ گئے۔ وہاں ہمارے بہت سے رشتے دار پہلے ہی سے رہتے تھے، اس لیے گھر کے سارے بچے خوب مزے کر رہے تھے۔

میں نے چند ہم عمر دوستوں کے ساتھ مل کر شکار کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن ہم پانچ لڑکے اعظم، ایاز، وسیم، زبیر اور میں شکار کے لیے چل دیے۔ پروگرام یہ تھا کہ مچھلی، مرغابی کا شکار کر کے وہیں بھون کر کھائیں گے اور رات گزار کر اگلے روز شام کو گھر آ جائیں گے۔

شکار پر جانے سے پہلے والدہ اور دادی نے سب پر دَم کیا اور پھر ہم روانہ ہو گئے۔ ضرورت کی ساری چیزیں ساتھ تھیں۔ میں نے اپنا کیمرا ساتھ رکھ لیا تھا، تاکہ یادگار لمحات کو محفوظ بنا سکوں۔ جب ہم روانہ ہوئے تو موسم بہت خوش گوار تھا، لیکن شام ہوتے ہی وقفے وقفے سے بجلی کڑکنے لگی۔ موسم کا مزاج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں بارش ہو گئی۔ جنگل کے قریب پہنچے ہی تھے کہ بارش تیز ہو گئی۔ ایسے میں اعظم نے مشورہ دیا کہ جنگل میں تھوڑی دیر رک کر بارش تھمنے کا انتظار کرتے ہیں، پھر آگے چلیں گے، ورنہ واپس گھر چلیں گے۔ سب نے رضا مندی کا اظہار کیا۔ وسیم نے جنگل میں گاڑی روک دی اور ہم درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھ کر بارش تھمنے کا انتظار کرنے لگے۔

اچانک ایک نوجوان لڑکا بھاگتا ہوا ہمارے قریب سے گزرا۔ ہمیں دیکھ کر رُک گیا

اور کہا: ''بھٹک گئے ہو کیا؟'' سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ اعظم نے کہا: ''نہیں، راستہ خراب ہے، اس لیے بارش رُکنے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''تو میرے ساتھ چلو۔ آگے چھپر ڈال کر میں بھی بیٹھا ہوں، تم بھی بیٹھ جاؤ۔'' اس نے دعوت دی اور ہم سب سوچے سمجھے بغیر اس کے ساتھ چل دیے۔ واقعی چھپرا ایک محفوظ جگہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔

ایاز نے اس لڑکے سے پوچھا: ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

وہ بڑے اطمینان سے بولا: ''میرا اکثر یہاں سے گزر ہوتا ہے، ویسے تو میں اکیلا ہوتا ہوں، مگر آج تم لوگ ساتھ ہو تو اچھا لگ رہا ہے۔''

وسیم نے پوچھا: ''تمھاری گاڑی اور سامان وغیرہ کہاں ہے؟''

''اس کی مجھے ضرورت نہیں۔'' وہ جوتے کے تسمے باندھتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا: ''ویسے تم نے چھپرا اچھا لگایا ہے۔''

''نہیں، میرے والد نے میرے لیے لگایا ہے۔ آج تو بارش ہوگئی، ورنہ دھوپ بہت تیز ہوتی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

بھوک زور کی لگی تھی۔ ہم سب کھانے پینے کی چیزیں نکال کر کھانے لگے، مگر اس لڑکے نے بہانہ کر کے کھانے پینے سے انکار کر دیا۔

زبیر بولا: ''ارے، تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟''

''میرا نام عیسیٰ ہے اور جنگل کے بائیں طرف قریب ہی میرا گھر ہے، میرا خاندان ہے۔'' وہ اُداس ہو کر بولا۔

ہمیں بھوک میں اس کی اُداسی محسوس نہ ہوئی۔ میں نے کیمرا نکال کر تصویر بنائی۔

''عیسیٰ! تم بھی ہمارے ساتھ تصویر بنوالو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں، یہ تصویریں بہت تکلیف پہنچاتی ہیں، یادیں تازہ کرتی ہیں۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ گروپ سے ہٹتا، میں نے دو تین تصویریں بنالیں۔ بارش رُک گئی تھی۔ زبیر نے آگے جانے کے بجائے گھر چلنے کا مشورہ دیا اور سب راضی ہو گئے۔ ہم نے عیسیٰ سے بھی کہا کہ چلو، تمھیں تمھارے گھر تک چھوڑ دیں، مگر اس نے منع کر دیا۔ ہم واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایک ہفتے بعد پھر ہمارا شکار کا پروگرام بنا۔ والد صاحب کی اجازت سے ہم نے پھر

تیاری کی۔ میں نے اپنا کیمرا یاد سے رکھا۔ پچھلے پروگرام کے وقت میں نے جو رول کیمرے میں ڈالا تھا، وہ ابھی باقی تھا۔ راستے میں اعظم نے کہا: ''کیوں نہ عیسیٰ کو بھی اس کے گھر سے شکار کے لیے ساتھ لے چلیں!''

سب نے ہامی بھر لی اور ہم عیسیٰ کے بتائے ہوئے گھر کی جانب چل دیے۔ تھوڑی محنت کے بعد ہی ہمیں عیسیٰ کا گھر مل گیا، ایاز نے دروازے پر دستک دی۔

ایک ادھیڑ عمر کا آدمی باہر آیا: ''جی کون صاحب!''

وسیم نے کہا: ''ہمیں عیسیٰ سے ملنا ہے۔''

''عیسیٰ سے؟'' وہ شخص حیران ہو کر بولا۔

''یہ عیسیٰ کا گھر ہے نا؟'' ایاز نے پوچھا۔

''ہاں، عیسیٰ ہی کا گھر ہے۔'' وہ شخص بولا اور حیرت سے ہم سب کو دیکھنے لگا۔

''ہم اس کے دوست ہیں اور عیسیٰ کو بھی شکار پر ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

اتنا میرے کہنے پر وہ شخص ہم سب کو اندر لے گیا۔ گھر میں ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس شخص نے عورت کا تعارف کرایا: ''یہ عیسیٰ کی ماں ہے اور میں اُس کا باپ ہوں۔''

''اور عیسیٰ کہاں ہے؟'' زبیر نے پوچھا۔

والد کے بجائے عیسیٰ کی والدہ نے جواب دیا: ''شاید تمھیں معلوم نہیں، عیسیٰ کو تو مرے ہوئے سات سال ہو گئے ہیں۔''

ہم سب عورت کا منہ دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اعظم بولا: ''مگر ایک ہفتے پہلے ہی ہم سب عیسیٰ سے مل چکے ہیں۔''

''ہاں ہاں، میں جانتا ہوں، تم ضرور عیسیٰ سے ملے ہو گے اور یقیناً بارش بھی ہو رہی ہو گی۔'' عیسیٰ کے والد نے کہا۔

ایاز نے کہا: ''ہاں، طوفانی بارش تھی۔''

''اس کی موت اسی بارش میں، بلکہ بارش ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔'' عیسیٰ کے والد نے خلاؤں میں گھور کر کچھ سوچتے ہوئے کہا: ''اس روز موسم اچھا نہیں تھا اور وہ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ مچھلی کے شکار کے لیے تیار تھا۔ ہمارے منع کرنے کے باوجود وہ نکلا اور جنگل کے ختم ہونے پر نہر کی طرف جانے والے راستے پر جانا چاہتا تھا کہ بارش کی پھسلن کی وجہ سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گڑھے میں جا گرا۔ اس کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی۔ ہم سمجھے، وہ شکار پر گیا ہے اور اس کے دوست سمجھے کہ شاید میرے منع کرنے پر وہ نہیں آیا۔ واپسی پر جب اس کے دوست شکار کی ہوئی مچھلی میں عیسیٰ کا حصہ دینے گھر

آئے، تب ہمیں پتا چلا کہ عیسیٰ لاپتا ہے۔ بارش بہت تیز تھی۔ بہت تلاش کیا، مگر عیسیٰ نہ ملا۔ جب دو روز کے بعد بارش ختم ہوئی اور پانی اُترنے لگا، تب جا کے عیسیٰ کی لاش گڑھے سے ملی، پھر میرے مشورے سے اس کو جنگل ہی میں دفن کر دیا گیا تھا۔''

عیسیٰ کے والد کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی والدہ کے رونے کی آواز بھی آنے لگی۔ ہم سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

اس شخص نے پھر سے کہنا شروع کیا: ''اس حادثے کے بعد سے بارش میں اس کی روح بھٹکتی ہے اور اپنے ہم عمر لڑکوں کو بارش سے بچانے کے لیے اس چھپر کے نیچے لے جاتی ہے، جہاں اس کی قبر ہے۔''

ہم سب بُت بن چکے تھے۔

''چلو، میرے ساتھ، جہاں وہ تم سے ملا تھا۔'' عیسیٰ کے والد ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔

ہم سب دوست عیسیٰ کے والد کو اس جگہ لے گئے، جہاں عیسیٰ ہم سے ملا تھا۔

عیسیٰ کے والد نے اس جگہ ذرا آگے ہی وہ کھڈ دکھایا، جہاں عیسیٰ گرا تھا، پھر اس کی قبر پر لے گئے۔ وہی چھپر تھا۔ واقعی وہاں اس کی قبر تھی، مگر اس دن وہ قبر ہم دوستوں میں سے کسی نے بھی نہ دیکھی تھی۔ یہ ساری باتیں سننے کے بعد ہم شکار کے بجائے گھر روانہ ہو گئے۔ تمام راستے ہم سب چپ تھے، شاید کوئی بھی اپنی آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی بات پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اچانک زبیر بولا: ''حیرت ہے کہ ہم سات سال پہلے مرے ہوئے لڑکے کے

ساتھ اتنی دیر بیٹھے رہے اور ہمیں احساس تک نہ ہوا۔''

وسیم بولا: ''اس نے شاید اسی لیے کھانا کھانے سے انکار کیا تھا۔''

سب کو اس دن کی باتیں یاد آنے لگیں۔

''بھائی عبدل! تم نے تو اس کی تصویریں بھی بنائی تھیں نا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہاں تین چار بنائی تھیں، مگر وہ منع کر رہا تھا کہ تکلیف ہوتی ہے اور یادیں تازہ کر دیتی ہیں۔''

جلد ہی گھر آ جانے پر سب حیران تھے۔ پوچھنے پر کوئی کچھ نہ بولا۔ زبیر اور وسیم نے زور دیا کہ جلد از جلد تصویریں دھلوا لوں، اس لیے میں نے جلد ہی فلم فوٹو گرافر کو دے دی۔

جس دن تصویریں ملنی تھیں، ہم پانچوں دوست بہت پریشان تھے۔ تصویریں دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تمام تصویریں بالکل ٹھیک اور اچھی آئی تھیں، مگر ان تصویروں میں عیسیٰ کی تصویر نہیں تھی۔ پورا گروپ موجود تھا، مگر اس میں عیسیٰ کی جگہ خالی نظر آئی۔ ان تصویروں کو دیکھنے کے بعد ہم پانچوں دوست شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔

ہمارے گھر والے حیران تھے کہ ان کو اچانک کیا ہو گیا۔

بہت زور دینے پر اعظم نے سارا قصہ بتایا، جس کو سن کر سب حیران رہ گئے، مگر دادا مسکراتے ہوئے بولے: ''ارے بچو! وہ اجنبی لڑکا واقعی تمھارا دوست تھا، جبھی تو اس نے بارش سے بچا کر اپنے چھپر میں جگہ دی۔''

اگلے دن ہم سب دوست دادا کے ساتھ عیسیٰ کی قبر پر گئے۔ فاتحہ خوانی کی، تب کہیں جا کے ہمیں سکون ملا۔ یہ واقعہ شاید ہم تمام دوست کبھی نہ بھلا سکیں۔ جب ہم فاتحہ پڑھ رہے تھے تو ہم پانچوں نے عیسیٰ کو اپنے درمیان محسوس کیا تھا۔ ☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

محمد عمر امتیاز، کراچی — مسفرہ امیر، واہ کینٹ

محمد حذیفہ حسین ابڑو، کراچی — ملائکہ ارشاد، کراچی

عبدالمغنی وقاص، بہاول پور — شاہ میر اسد، ڈیرہ اسماعیل خان

اقصیٰ عزیز، کراچی — عائشہ زبیر، کراچی

نیکی

محمد عمر امتیاز، کراچی

شہر کے ایک مشہور صنعت کار فاروق بیگ کی بیٹی کی شادی تھی۔ ایک ہفتے پہلے ہی شادی کا ہنگامہ شروع ہو چکا تھا۔ گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ گھر کی سجاوٹ دیکھ کر ہی آنکھیں خیرہ ہوئے جا رہی تھیں۔ رشتے داروں کی مہمان داری کے لیے نت نئے پکوان پکائے جا رہے تھے۔

بہت سے ملازم خدمت پر مامور تھے۔

شاہدہ ایک بیوہ عورت تھی، جو صفائی ستھرائی کا کام کرتی تھی۔ وہ اپنی دس سالہ بیٹی مریم کے ساتھ کام پر آتی تھی۔ مریم بھی اپنی ماں کے ساتھ چھوٹے موٹے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔

جس دن بارات تھی، سب کاموں میں مصروف تھے کہ اچانک مریم سیڑھیاں اُترتے ہوئے پھسل کر نیچے گرتی چلی گئی۔

مریم کی چیخ سن کر شاہدہ اور دوسرے ملازم بھاگے۔ شاہدہ بے ہوش مریم کو لپٹائے زار و قطار روتے ہوئے فاروق صاحب کو آوازیں دینے لگی۔ فاروق بیگ غصے سے نیچے اُترے اور کہنے لگے: ''آج کے دن کیا نحوست پھیلا کر رکھی ہے؟''

ایک ملازم بولا: ''صاحب! مریم بیٹی

زخمی ہوگئی ہے، اسے اسپتال لے جانا ہے۔''

فاروق صاحب مزید غصے سے بولے:

''مجھے تو گاڑی میں ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ باہر سے کوئی رکشا کر کے لے جاؤ۔''

ان کی بے حسی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ غریب لوگ ہیں نہ جانے ان کے پاس پیسے ہوں نہ ہوں۔

وہی ملازم مریم کو گود میں اُٹھائے شاہدہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اللہ پاک نے کرم کیا کہ مریم بچ گئی۔ اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اس بات کو کافی سال گزر گئے۔ مریم اب پندرہ برس کی ہو چکی تھی۔ ماں بیٹی اب بھی فاروق بیگ کے گھر میں ہی کام کرتی تھیں۔ آج بھی فاروق صاحب کے گھر میں پارٹی تھی۔ فاروق صاحب کی بیٹی اپنی تین سالہ بچی کو اس کی آیا کے پاس چھوڑ کر اپنی والدہ کے ساتھ پارلر گئی ہوئی تھی۔

فاروق صاحب آفس میں تھے۔ اچانک بچی کھیلتے کھیلتے سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے آ گری۔ بچی کی چیخ سن کر سب ملازم ایک دم بھاگے۔

شاہدہ نے بچی کو فوراً گود میں اُٹھایا بس ایک لمحے کے لیے اسے اب سے بہت سال پہلے کی فاروق صاحب کی بے حسی یاد آئی۔ اس نے سر جھٹک کر غلط سوچ سے چھٹکارا پایا اور ڈرائیور کے ساتھ بچی کو لے کر بڑے اسپتال پہنچ گئی۔

تھوڑی دیر بعد فاروق صاحب بھی اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اسپتال پہنچ گئے۔ ان کی بیٹی کا رو رو کر بُرا حال ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے انھیں تسلی دی کہ بچی بالکل ٹھیک ہے۔ اگر بروقت نہ لائی جاتی تو خون مزید بہ جاتا، جس سے بچی کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔

فاروق صاحب سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان کی نواسی کی محسنہ وہی شاہدہ تھی جس کی زخمی بیٹی کے معاملے میں انھوں نے انتہائی سنگ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ فاروق صاحب نے شاہدہ سے معافی مانگی، ان کی بیٹی نے تو آگے بڑھ کر شاہدہ کو گلے سے لگا لیا۔

سب انسان برابر ہیں۔ کسی انسان کو کم تر یا حقیر سمجھنا اللہ پاک کی ناراضگی مول لینے کے مترادف ہے۔

اعتراف

محمد حذیفہ حسین ابڑو، کراچی

ناصر پریشانی کے عالم میں مسکین سی صورت بنائے دانش کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔

''اور سناؤ کیسے آنا ہوا؟'' دانش نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''مجھے تم سے حساب کے کچھ سوالات سمجھنا تھے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اندر آ جاؤ۔'' اس نے اندر آنے کی دعوت دی۔ ناصر تو آیا ہی اس لیے تھا، وہ جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ دانش نے اسے بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلایا اور اندر چائے کا کہنے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں دوست مشقیں حل کرنے لگے، جو ناصر اپنے ساتھ لایا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ناصر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ دانش سے تمام جوابات سمجھ چکا تھا۔

''اب میں چلتا ہوں۔'' اس نے دانش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''ارے ایسے کیسے......! امی جان چائے بنا رہی ہیں، وہ پی کر جانا۔''

''پھر کبھی پی لوں گا۔''

''نہیں نہیں، پی کر جانا۔''

دانش نے خلوص کا اظہار کیا تو وہ انکار نہ کر سکا اور پھر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر وہ اِدھر اُدھر

کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک ناصر نے سرگوشی والے انداز میں دانش سے کہا:

''اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟''

''ہاں، ہاں کہو۔''

''مجھے دراصل تم سے دو سو رپے اُدھار درکار تھے۔ اگر دے دو تو......''

''مگر ایک دم سے اتنے پیسوں کی ضرورت...... خیر تو ہے؟'' دانش نے انتہائی خوش اخلاقی سے کہا۔

ناصر ایک دم چپ ہو گیا، پھر بولا: ''مجھے والد صاحب نے نوٹس کاپی کرانے کے لیے دیے تھے۔'' اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''اور وہ تم نے خرچ کر دیے!'' دانش سنجیدگی سے بولا۔

''تم ٹھیک سمجھے ہو!'' وہ شرمندگی سے اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم ویڈیو گیم کی دکان پر کافی وقت ضائع کرتے ہو۔''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ جھینپ کر بولا۔

''دیکھو بھائی! میں تمھیں اس بار تو پیسے دے دوں گا، لیکن......'' وہ کچھ سنجیدہ تھا۔

''نہیں اس کے بعد نہیں مانگوں گا تم سے۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھ سے نہیں مانگو گے تو کیا کسی اور سے......'' دانش نے اسے گھورا تو اس نے نظریں دوسری جانب کر لیں۔

''نہیں، نہیں کسی سے بھی نہیں۔'' وہ جلدی سے کہنے لگا۔

''میری بات مانو! یہ گیم اور چٹورپن کی عادت کسی طور مناسب نہیں۔'' دانش اسے سمجھا رہا تھا: ''فضول خرچی کی عادت نے تمھیں اِدھر اُدھر سے اُدھار لینے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔''

دانش نے اسے سمجھایا: ''تمھیں میری بات بُری تو لگے گی، لیکن یہ حقیقت ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو دوست!'' ناصر نے افسوس سے کہا۔

''جتنی ہماری گنجائش ہو، اس سے زیادہ کا خرچ انسان کو بُرائی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔'' وہ اسے مسلسل سمجھا رہا تھا اور ناصر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''تمھاری باتوں سے مجھے سو فی صد اتفاق ہے۔'' ناصر نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: ''اپنے دوستوں کے ساتھ رہ کر میں بھی ان کی طرح فضول خرچی کرنے لگا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی بھی نہیں کروں گا۔'' ناصر کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو چکا تھا۔

''یہ لو دو سو رپے۔'' دانش نے امی سے پیسے لا کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ اب تم کفایت شعاری سے کام لو گے اور فضول خرچی کی طرف بالکل نہیں جاؤ گے۔''

ناصر نے اس کی بات کے جواب میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

انعام

عبدالمغنی وقاص، بہاول پور

نعمان کو شدت سے انتظار تھا کہ اس کے ابو جان اس کے لیے پاکستان کا ایک بڑا سا جھنڈا لائیں گے۔ جب چودہ اگست میں صرف چار دن رہ گئے تو اس نے اپنے ابو سے پوچھ ہی لیا: ''ابو! آپ قومی پرچم کب لائیں گے؟ محلے میں میرے تمام دوستوں نے جھنڈے خرید بھی لیے ہیں۔''

''جب دفتر سے تنخواہ ملے گی تو میں اس دن گھر آتے ہوئے لے آؤں گا۔''

ابو جان نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو دفتر سے تنخواہ کب ملے گی؟" نعمان نے سوال کیا۔

"بہت جلد، اچھا اب سو جاؤ۔" ابو کے کہنے پر نعمان نے آنکھیں بند کرلیں۔

دو دن گزر گئے، مگر نعمان کے ابو کو تنخواہ نہیں ملی۔ آخر ۱۴-اگست سے ایک روز قبل نعمان کے چچا، صادق آباد سے آئے تو انھوں نے نعمان کو سو روپے دیے تھے۔ نعمان سو روپے پا کر بہت خوش تھا۔ اب وہ آسانی سے جھنڈا خرید سکتا تھا۔ ابو دفتر سے ابھی نہیں آئے تھے۔ نعمان سو روپے جیب میں رکھ کر بازار چلا گیا۔ وہاں دکان پر سبز ہلالی پرچم اور خوب صورت جھنڈیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ایک دکان کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک لڑکے نے اسے مخاطب کیا: "بھائی! میں صبح سے بھوکا ہوں۔ میری مدد کریں، میں آپ کو دعائیں دوں گا۔"

"تم کہاں رہتے ہو؟" نعمان نے پوچھا۔

"ریلوے پھاٹک کے ساتھ کچی آبادی میں ہماری جھونپڑی ہے۔ میرے والد پچھلے سال ایک حادثے کا شکار ہو کر انتقال کر گئے ہیں۔ والدہ بہت بوڑھی ہیں۔ وہ کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ میں صبح سے مزدوری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، مگر مجھے کوئی کام نہیں ملا۔" یہ کہہ کر وہ لڑکا رونے لگا۔ نعمان کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے ایک نظر لہراتے ہوئے پرچموں کو دیکھا اور پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سو روپے نکالے اور اس لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا: "یہ لو، ان پیسوں سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے لینا۔"

سو روپے کا نوٹ دیکھ کر اس لڑکے کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ نعمان جب خالی ہاتھ گھر پہنچا تو اس کے ابو دفتر سے آ چکے تھے۔ ابو کے پوچھنے پر اس نے ساری بات بتائی تو انھوں نے نعمان کی

پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: "نعمان! تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ کسی ضرورت مند کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے، دیکھو! میں تمھارے لیے کتنا بڑا جھنڈا لایا ہوں۔"

گرمی

مرسلہ : اقصیٰ عزیز، کراچی

پسینے پر پسینا آ رہا ہے
بہت گرمی ہے، جی گھبرا رہا ہے
تپ اُٹھا ہے بدن گرمی سے اتنا
کلیجا آج منھ کو آ رہا ہے
میں آیا ہوں نہا کر آگ میں آج
جھونکا لُو کا یہ کہتا آ رہا ہے
لٹک آئی ہے پتوں کی زبانیں
درخت ایک ایک بس مرجھا رہا ہے
نہیں بجھتی ہے شربت سے بھی کیوں پیاس
ہمارا دل یہ کہتا جا رہا ہے
لیے ہاتھوں میں پنکھے سب ہیں بیٹھے
ہر ایک پنکھے کو جھلتا جا رہا ہے

بے خوف درویش

مسفرہ امیر، واہ کینٹ

ایک درویش جنگل میں اکیلا بیٹھا تھا۔ ایک بادشاہ وہاں سے گزرا۔ درویش نے بادشاہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔

بادشاہ نے غرور سے کہا: "یہ بھیک مانگنے والے بالکل جانور ہوتے ہیں۔ کسی کے ادب و آداب کا خیال نہیں رکھتے۔"

وزیر نے بادشاہ کی بات سن کر درویش سے کہا: "سائیں بابا! عالم پناہ تمھارے سامنے کھڑے ہیں، فوراً کھڑے ہو جاؤ اور ادب سے سلام پیش کرو۔"

درویش نے جواب دیا: "بابا! اپنے بادشاہ سے کہو یہ اُمید ان سے کریں جو بادشاہ سے انعام پانے کی خواہش رکھتے ہوں۔ اپنے بادشاہ کو یہ بات بھی سمجھا دو کہ بادشاہ رعیت کی نگہبانی کے واسطے ہے، نہ

کہ رعیت بادشاہ کی بندگی کے لیے۔ بھیڑیں گڈریے کی حفاظت نہیں کرتیں، گڈریا بھیڑوں کی حفاظت کرتا ہے۔''

درویش کی گفتگو سن کر بادشاہ کے دل پر بڑا اثر ہوا، وہ بولا: ''مانگو بابا! کیا مانگتے ہو؟''

درویش بولا: ''مجھے بادشاہ سے کچھ نہیں چاہیے۔''

بادشاہ نے کہا: ''مجھے کوئی نصیحت کرو۔''

درویش بولا: ''اللہ کے بندوں کو آرام پہنچایا کرو۔''

کچھوا

مرسلہ: ملائکہ ارشاد، کراچی

کچھوا ہم نے دیکھا ہے
دھیرے دھیرے چلتا ہے
کچھوا، گرگٹ اور گھڑیال
ایک گھرانے کے ہیں لال
اوپر نیچے ہڈی کا خول
پیٹ ہے اس کا جیسے ڈھول
ہوتے نہیں اس کے دانت
غذا ثابت کھاتی ہے آنت
ندیوں میں، صحراؤں میں
پانی بھرے تالابوں میں
اس کا رہنا سہنا ہے
محنت اس کا گہنا ہے
چلتا ہے یہ میل و میل
عمر اس کی بڑی طویل

کوا

شاہ میر اسد، ڈیرہ اسماعیل خان

پاکستان میں بہت سے پرندے پائے جاتے ہیں۔ کبوتر، چڑیا، توتا، مینا، تیتر، بٹیر، چیل اور اُلو وغیرہ۔ یہ تمام پرندے پاکستان کے تقریباً ہر علاقے میں پائے جاتے ہیں، مگر آج آپ کو کوؤں کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ یہ سرمئی رنگ کا

ایک بڑا پرندہ ہے، جو کم و بیش دنیا کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سرمئی مائل سیاہ اور نسواری رنگ میں بھی پایا جاتا ہے۔ کئی ممالک میں کوؤں کو پالا جاتا ہے۔

کوے بہت ذہین ہوتے ہیں اور ان میں بھائی چارہ بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر کہیں کوئی ایک کوا کسی مصیبت میں ہو اور چلائے تو فوراً سیکڑوں کوے اس کی مدد کو آ جاتے ہیں۔ بعض ممالک میں کوے کو خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں کوے کا کسی منڈیر پر کائیں کائیں کرنا مہمان کی آمد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

کوے سے منسوب کچھ قصے، کہاوتیں بھی مشہور ہیں، جیسے پیاسا کوا، سیانا کوا، کوے کھائے ہیں (لمبی عمر والوں کے لیے کہتے ہیں)۔

ایک کہانی تو بچوں نے خوب پڑھی ہوگی، ایک کوے کو پنیر کا ٹکڑا ملتا ہے۔ پنیر دیکھ کر لومڑی کے منھ میں پانی آ جاتا ہے۔ وہ کوئے کے لیے بہلانے کو خوشامد کرتی ہے کہ کوے میاں، کیا خوب صورت آواز پائی ہے تم نے، مجھے ذرا گانا تو سناؤ۔

کوا خوشامد سن کر جوش میں آتا ہے، جیسے ہی کائیں کائیں کرتا ہے، پنیر کا ٹکڑا گر جاتا ہے اور لومڑی پنیر لے کر یہ جا وہ جا۔

واقعی خوشامد بُری بلا ہے، تبھی تو کوے جیسا دانا پرندہ بھی خوشامد کے جال میں پھنس گیا تھا، ورنہ کوا تو بڑا سیانا ہوتا ہے۔

پیاسے کوے کی کہانی بھی بہت مشہور ہے۔

آج کل تو سنا ہے کوا اسٹرا ساتھ رکھتا ہے۔ جہاں چونچ نہیں پہنچ پانی، وہاں جھٹ اسٹرا نکال لیتا ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ پیغام رسانی کے لیے کبوتر کی جگہ کوے کو ڈاک کا کام کیوں نہیں سونپتے تھے۔

چھوٹی سی خبر

عائشہ زبیر، کراچی

اخبار کی ایک چھوٹی سی خبر پڑھ کر عائشہ نے محسوس کیا، یہ دو لائنوں کی خبر نہ جانے کتنے لوگوں نے پڑھی ہوگی اور پڑھ کر آگے بڑھ گئے ہوں گے۔

خبر تھی کہ زیرِ حراست قیدی علاج کے دوران دم توڑ گیا۔ قیدی کا نام مشتاق مستری تھا۔ یہ پڑھ کر وہ بہت رنجیدہ ہوئی، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ وہ کس طرح اس حال تک پہنچے۔

ماروی اور عائشہ ایک ہی محلے میں رہتی اور ایک ہی اسکول میں پڑھتی تھیں۔ ماروی کے والد مشتاق راج مستری کا کام کرتے تھے اور رزقِ حلال کما کر اپنے بچوں کی پرورش کر رہے تھے۔ ماروی اپنے چھوٹے سے گھر میں اپنے امی ابو، بہن بھائیوں کے ساتھ بہت خوش تھی۔

شہر کے اکثر خراب حالات کی وجہ سے روزانہ اُجرت پر کام کرنے والوں کی طرح چاچا مشتاق بھی پریشان رہا کرتے تھے۔

ایک بار جب دس دن تک ہنگامے اور ہڑتالوں کی وجہ سے ان کو مزدوری نہ ملی انکل نے پہلی بار اپنے بچوں کے کئی دن کے فاقے سے تنگ آ کر چوری کی اور اس طرح وہ ایک چور بن گئے۔ کچھ عرصے بعد پولیس نے ان کو پکڑ لیا۔ جیل میں خراب کھانا کھانے کی وجہ سے ان کو جان لیوا بیماری لگ گئی اور وہ اسپتال پہنچ گئے۔

پھر آج کے اخبار کی خبر بن گئے۔

ماروی آج بھی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس کے بابا چور نہیں ہو سکتے، کیوں کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے بچوں کو غلط کام نہ کرنے کی نصیحت کی تھی۔ یہ چھوٹی سی خبر ماروی اور اس کے گھر والوں کے لیے ایک بڑا سانحہ تھی۔ ☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جون ۲۰۱۷ء کے بارے میں ہیں

● ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ زبردست اور لاجواب ہوتا ہے۔ جون کا شمارہ بے حد دل چسپ تھا۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ لطیفے بے حد مزے دار تھے، پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ سرورق بہت پیارا تھا۔ مضمون روزے کے اثرات بہت اچھا لگا۔ دوست بنے دشمن، احتجاج مرغاں، نامعلوم مہربان، بیس سال بعد، انصاف پسند چور، آخری سبق، تمام کہانیاں بے حد اچھی اور سبق آموز تھیں۔ ہر کہانی اپنی مثال آپ تھی۔ سلیم فرخی کی پہلی بات پسند آئی۔ روشن خیالات پسند نہیں آئے۔ حمد باری تعالیٰ بھی بہت خوب تھی۔ نظم "آیا ہے رمضان" بہت خوب تھی۔ علم دریچے بہت اچھے لگے۔ نونہال خبرنامہ بہت دل چسپ تھا۔ **علیمہ صابر اعوان، ہری پور۔**

● میں چوتھی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ ہمدرد نونہال کا تازہ شمارہ پڑھا۔ اس میں کچھ چیزیں پسند نہیں آئیں۔ مثلاً سوالات مشکل تھے۔ شعر فارسی کا تھا۔ کہانی لکھوں تو کیا پیسے ملیں گے۔ سالانہ لگواؤں تو کیا رسالہ وقت پر مل جائے گا؟ **عدن زاہد، مظفر آباد۔**

معلومات افزا میں آسان سوال پوچھنے سے معلومات تو نہیں بڑھے گی۔ جون کے شمارے میں شعر فارسی کا نہیں اردو ہی کا ہے۔ کہانی لکھنے سے پہلے بہت سارا پڑھنا پڑتا ہے، ابھی آپ چوتھی جماعت میں ہیں، پہلے خوب پڑھیے۔ سالانہ قیمت منی آرڈر سے بھیجی جا سکتی ہے۔

● میں کئی سال سے نونہال پڑھ رہی ہوں۔ یہ بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس میں ڈراؤنی کہانیاں بھی شائع کیا کریں، جس طرح جولائی ۲۰۱۵ء میں بلاعنوان کہانی شائع کی تھی۔ **افراء آصف، ڈنگہ۔**

● جون کا شمارہ بہترین، بہت خوب صورت، بہت رنگین، بہت خوش گوار تھا۔ سرورق ہر طرح سے دل کو بھا رہا تھا۔ جاگو جگاؤ (شہید حکیم محمد سعید)، پہلی بات (سلیم فرخی)، روشن خیالات (ننھے قلمیں) اچھے سلسلے ہیں۔ پہلی بات پہلے کی طرح بہت اچھی لگی۔ روشن خیالات روشن ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر دل جاگ گیا تھا۔ حمد باری تعالیٰ، روزے کے اثرات اور ساری نظمیں بہت اچھی لگیں۔ علم دریچے، معلومات ہی معلومات، بیت بازی، نونہال ادیب، نونہال خبرنامہ، نونہال مصور اور مسکراتی لکیریں بہت پسند آئیں۔ دوست بنے دشمن، احتجاج مرغاں، نامعلوم مہربان، بیس سال بعد اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگی۔ ہنسی گھر سب سے اچھا لگا۔ **شیخ محمد حسن عطاری، ملیر، کراچی۔**

● جون کا شمارہ ملا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ سرورق بھی بہت پسند آیا۔ میں ایک سال سے ہمدرد نونہال رسالہ پڑھ رہا ہوں۔ جون کے شمارے کی ہر کہانی لاجواب تھی، حتیٰ کہ ہنسی گھر، نونہال ادیب اور علم دریچے بھی بہت پسند آئے۔ جاوید اقبال کی کہانیاں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ **احمد رضا عطاری، کراچی۔**

● ہمیشہ کی طرح جون کا شمارہ بھی بہت اچھا لگا۔ سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں نمبر ون دوست بنے دشمن (ڈاکٹر عمران مشتاق) دوسرے نمبر پر بیس سال بعد (محمد اقبال شمس) تیسرے نمبر پر نامعلوم مہربان (عاصمہ فرحین) اچھی لگیں۔ تمام مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ انکل! میں سال جون ۲۰۱۶ء کا خاص نمبر لینا چاہتی ہوں۔ **عریشہ عروج مغل، حیدر آباد۔**

۲۰۱۶ء میں خاص نمبر شائع نہیں ہوا تھا۔

● جون ۲۰۱۷ء کا ہمدرد نونہال ماشاءاللہ بہترین تھا۔ سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا۔ واقعی شہید حکیم محمد سعید کی باتیں بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔ پھر پہلی بات سے مستفیض ہوئی۔ جناب مسعود احمد برکاتی

صاحب کا اس مہینے کا خیال نہایت عمدہ تھا۔ روشن خیالات کے تمام خیالات ہی بہترین تھے۔ برکاتی صاحب کی تحریر "ایک عظیم سائنس داں" معلومات اور دل چسپی سے بھر پور تھی۔ کہانیوں میں احتجاج مرغاں (انور فرہاد)، بلاعنوان کہانی (ثمینہ پروین) مزے دار کہانیاں تھیں۔ نسرین شاہین کی "روزے کے اثرات" ایک عمدہ کاوش تھی۔ دوست بنے دشمن (ڈاکٹر عمران مشتاق)، نامعلوم مہربان (عاصمہ فرحین) اور بیس سال بعد (محمد اقبال شمس) سبق آموز کہانیاں تھیں۔ خودغرض لومڑی اور آخری سبق بھی دل چسپ کہانیاں تھیں۔ صباء عبدالغنی، کراچی۔

● ماہ جون کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی (ثمینہ پروین) بہت دل چسپ تھی۔ اس کے علاوہ نامعلوم مہربان (عاصمہ فرحین)، بیس سال بعد (محمد اقبال شمس) اور آخری سبق (رضا محمد قریشی) بھی اچھی تحریریں تھیں۔ میں چند باتوں کی وضاحت چاہتا ہوں۔ محمد ابوبکر اشرف آرائیں، کبیروالا۔

آپ کے ہر سوال اور ہر اُلجھن کا جواب تفصیل سے بھیجا جارہا ہے، تاکہ آپ کی تسلی ہو سکے۔

● تمام تحریریں اچھی تھیں، مگر بیس سال بعد ٹاپ پر تھی۔ بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھی۔ نامعلوم مہربان، آخری سبق اور انصاف پسند چور بھی اچھی تھیں۔ نام پتا نامعلوم۔

● جون کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ تمام کہانیاں سبق آموز اور دل چسپ تھیں۔ پہلے نمبر پر بیس سال بعد، دوسرے نمبر پر انصاف پسند چور اور تیسرے نمبر پر بلاعنوان کہانی تھی۔ نظموں میں، آیا ہے رمضان اور وہ بچہ سب سے اچھا ہے، اچھی لگیں۔ نونہال ادیب میں پہلے نمبر پر سرشار، دوسرے نمبر پر گیلو میاں اور تیسرے نمبر پر بڑا جھوٹ تھیں۔ علم دریچے میں تنکے پارے، فرض شناس اور خیالی شیر زبردست تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح معلومات سے جگمگا رہی تھی۔ لطائف نے ہنسا دیا۔ معلومات ہی معلومات واقعی معلومات کا مینار ہے۔ اسمیٰ احمد، آزاد کشمیر۔

● جون کا شمارہ اچھا تھا۔ بلاعنوان کہانی اچھی لگی۔ باقی تمام تحریریں اور لطیفے بھی اچھے لگے۔ نونہال خبرنامہ بہت اچھا تھا۔ ربیعہ نعیم، کمل نعیم، ملتان۔

● جون کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ روشن خیالات بھی خوب صورت تھے۔ سب سے اچھی کہانی "بیس سال بعد" تھی، کیوں کہ یہ سبق آموز تھی۔ آمنہ فاطمہ عبدالسلام، قصور۔

● جون کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں، پر بلاعنوان کہانی بازی لے گئی۔ لطائف بھی دل چسپ تھے۔ تحریم نور، منگووال۔

● اس ماہ کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک ہر چیز ہی زبردست تھی۔ خاص کر ایک عظیم سائنس داں، بیس سال بعد، بلاعنوان کہانی لاجواب تھی۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ محمد سلمان بٹ، جگہ نامعلوم۔

● جون کا شمارہ ہمیشہ کی طرح قابل تعریف رہا۔ تمام نظمیں پسند آئیں۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح جگا دینے والا تھا۔ پہلی بات پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ روشن خیالات ہمیشہ کی طرح روشن تھے۔ علم دریچے بھی اچھے تھے۔ ہنسی گھر پڑھ کر ہم ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ نونہال ادیب میں بڑا جھوٹ اور سرشار اچھی لگیں۔ خبرنامہ بھی معلوماتی تھا۔ ہنڈکلیا بھی پسند آئی۔ مسکراتی لکیریں ہنسا دینے والی تھیں۔ کہانیوں میں مجھے بیس سال بعد اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگیں۔ دوست بنے دشمن، احتجاج مرغاں، نامعلوم مہربان، خودغرض لومڑی، انصاف پسند چور اور آخری سبق بھی پسند آئیں۔ طوبیٰ بنت عبدالرؤف قریشی، کراچی۔

● جون کا شمارہ سرورق سے لے کر آخر تک زبردست تھا۔ کہانیوں میں انصاف پسند چور، بیس سال بعد، بلاعنوان زبردست کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر بھی کمال تھا۔ مجھے ممبر شپ کارڈ روانہ کر دیا جائے۔ عثمان رؤف، محراب پور۔

کارڈ آپ کو جلد مل جائے گا۔

● جون کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ آدھی ملاقات میں اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بشریٰ عبدالرؤف قریشی، کراچی۔

● اس بار ہمدرد نونہال میں نے پڑھا تو میرا دل تو خوشی سے

بھر گیا۔ عینیہ، واہ کینٹ۔

● جاگو جگاؤ پڑھ کر واقعی دل جاگ گیا۔ اس میں شہید حکیم محمد سعید نے رمضان کی اہمیت بیان کی ہے اور قرآن پڑھنے کے فوائد بیان کرے ہیں۔ پہلی بات میں سلیم فرخی نے گرمی سے احتیاط کرنے کا کہا ہے۔ کہانیوں میں دوست بنے دشمن (ڈاکٹر عمران مشتاق) میں واقعی سبق تھا کہ دوستی میں خودغرضی، مطلب پرستی اور غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نامعلوم مہربان (عاصمہ فرحین) بھی بازی لے گئی۔ بیس سال بعد (محمد اقبال شمس) واقعی درد ناک کہانی تھی۔ انصاف پسند چور (آمنہ پناہ) پڑھ کر دل میں آیا کہ کاش! اگر آج کل کے دور میں ایسے چور ہوتے تو پوری دنیا بدل جاتی۔ نونہال ادیب کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ نونہال خبرنامہ نے ہم سب کو حیران کر دیا۔ نونہال مصور میں ننھے منے بچوں کی رنگا رنگ تصویر دیکھ کر فرحت محسوس ہوئی۔ لطیفے بھی سپر ہٹ تھے اور نظمیں بھی اچھی تھیں۔ ماہ نور شمیم، کراچی۔

● جون کے شمارے میں احتجاج مرغاں، انصاف پسند چور، نامعلوم مہربان، آخری سبق اور بلاعنوان کہانی بہت پسند آئیں۔ دوست بنے دشمن، خودغرض لومڑی اور بیس سال بعد بھی سبق آموز کہانیاں ہیں۔ پہلی بات بھی دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ تمام مستقل سلسلے بھی بھرپور ہیں۔ نئی امید کے ساتھ مزید ایک تحریر بھیج رہی ہوں۔ کیا پچھلی تحریریں مسترد ہو چکی ہیں؟ عشرت جہاں، لاہور۔

اچھی کہانیاں لکھی ہیں۔ شائع ہو سکتی ہیں۔

● ہمدرد نونہال نے برس ہا برس سے اپنا معیار برقرار رکھا ہے۔ یہ میرے زیر مطالعہ تقریباً چار سال سے ہے اور اب بھی ہر ماہ اس کا مطالعہ کرتا ہوں۔ شہید حکیم محمد سعید کا بویا ہوا یہ بیج اب تناور شجر بن چکا ہے۔ تمام نونہالوں کو یہ بطور تحفہ باقی نونہالوں کو بھی دینا چاہیے۔ اُسامہ ظفر راجا، ملکہ کوہسار۔

● ثمینہ پروین کی "بلاعنوان کہانی" انتہائی مزاحیہ تھی۔ اس کہانی کو پڑھا تو چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فلپائن کی لوک کہانی "دوست بنے دشمن" ڈاکٹر عمران مشتاق نے عمدہ طریقے سے بیان کی۔ احتجاج مرغاں اور بیس سال بعد نرالی کہانیاں تھیں۔ انصاف پسند چور عجیب وغریب، مگر مزے کی تھی۔ جاوید اقبال کی کہانی بہت اعلا تھی۔ لطیفے مزے دار تھے۔ علم دریچے، بیت بازی وغیرہ بھی دل میں سما گئے۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

● تمام کہانیاں اور نظمیں بہترین تھیں۔ احتجاج مرغاں پہلے نمبر پر رہی۔ معلومات ہی معلومات اور نونہال خبرنامہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ پورا رسالہ آپ کی اور سارے قلم کاروں کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انکل! کیا آپ مجھے کراچی سے شائع ہونے والے ایک میگزین کا پتا اور فون نمبر بھجوا سکتے ہیں؟ ملک محمد احسن، راولپنڈی۔

ہمدرد نونہال کی پسندیدگی کا شکریہ۔ بچوں کے دوسرے رسالوں کے بارے میں کسی بک اسٹال سے معلومات مل سکتی ہیں۔

● جون کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سرورق ماہِ رمضان کی مناسبت سے تھا۔ تحریروں کے اعتبار سے شمارہ بہتر، بلکہ بہترین تھا۔ جاگو جگاؤ نے اچھا منظر پیش کیا۔ پہلی بات (سلیم فرخی) بھی چھا گئی۔ روزے کے اثرات (نسرین شاہین) ایک پُر تاثیر مضمون تھا۔ نظموں میں ارسلان اللہ خان کی نظم اول تھی۔ احتجاج مرغاں (انور فرہاد)، نامعلوم مہربان (عاصمہ فرحین)، انصاف پسند چور (آمنہ پناہ) بہتر تھیں۔ بلاعنوان کہانی (ثمینہ پروین) ایک ہنستی مسکراتی انوکھی کہانی تھی۔ بیس سال بعد (محمد اقبال شمس) بھی کم نہ تھی۔ نونہال ادیبوں کی ننھی منھی کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ دیگر تمام مستقل سلسلے بے مثال تھے۔ حافظ محمد اشرف، حاصل پور۔

● رمضان کے مہینے میں ہمدرد نونہال پڑھا اور بھی مزہ آیا اور چھٹیوں کا مزہ دوبالا ہو گیا۔ نونہال پڑھ کر مجھے بہت بہت اور بہت مزہ آتا ہے۔ میرے گھر والے بھی نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ سیدہ فصیح محفوظ، کراچی۔

● جون کا شمارہ خاص اہمیت کا حامل تھا۔ سرورق ہم نونہالوں نے بہت پسند کیا۔ جاگو جگاؤ میں شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھنے والی باتیں تھیں۔ روشن خیالات بہت عمدہ تھے۔ روزے کے اثرات سے روز

ے کا اصل مقصد معلوم ہوا۔ تمام کہانیاں بہت عمدہ تھیں۔ ہنسی گھر نے لوٹ پوٹ کر دیا۔ بیت بازی میں ہر شعر ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ نونہال لغت سے بھی کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ **محمد ارسلان رضا، کھروڑپکا۔**

● جون کا شمارہ بہت پسند آیا۔ روشن خیالات میں تمام اقوال بہت اچھے تھے۔ مسعود احمد برکاتی کی تحریر "ایک عظیم سائنس داں" اچھی لگی۔ کہانیوں میں دوست بنے دشمن، احتجاج مرغاں، بیس سال بعد اور نامعلوم مہربان بہت اچھی تحریریں تھیں۔ معلومات افزا کے سوالات اس بار معلوماتی تھے، معلومات افزا میں اگر اس بار رمضان کے حوالے سے کچھ سوالات شامل ہو جاتے تو بہتر تھا۔ اس کے علاوہ علم در بیچے میں مختصر تحریریں اور نونہال لغت نے شمارے کو چار چاند لگا دیے۔ میرا بیٹا سات ماہ کا ہے، میں چاہتی ہوں کہ اس کی تصویر سرورق کی زینت بنے۔ تصویر ڈاک کے ذریعے بھیجیں یا ای میل کر دیں؟ **مسز مہک وقاص، صادق آباد۔**

> دعا ہے کہ آپ کا بیٹا اچھی صحت کے ساتھ لمبی عمر پائے۔ بچے کو کم از کم دو سال کا ہونے دیں پھر ۵×۷ انچ کی ایسی تصویر ڈاک سے بھیجیں جس میں بچے کا موڈ خوش گوار ہو۔ تصویر ساکت نہ ہو۔ کئی مراحل سے گزر کر تصویر کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

● اس ماہ کا شمارہ خوب صورت ٹائٹل سے سجا ہاتھ میں آیا۔ بچے کی معصومیت اور انداز دیکھ کر بہت پیار آیا۔ روشن خیالات پڑھے، عظیم خیالات نے ذہن کے دریچے کھول دیے۔ ہنسی گھر پڑھا تو بہت لطف اندوز ہوئے۔ نونہال مصور میں نونہالوں کی خوب صورت مصوری نے دل خوش کر دیا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ اس مرتبہ کا شمارہ تو کام یابی کی بلندی کو چھوتا محسوس ہوا۔ "نامعلوم مہربان" نمبر ون کہانی تھی۔ دوسرے نمبر پر انصاف پسند چور گی اور تیسری اچھی کہانی احتجاج مرغاں تھی۔ دیگر کہانیاں اور تمام مستقل سلسلے بھی بہت اچھے اور نصیحت لیے ہوئے تھے، کچھ تحریریں معلومات لیے ہوئے تھیں۔ غرض کہ تمام شمارہ بہت اچھا تھا۔ **سمیہ وسیم، سکھر۔**

● جاگو جگاؤ، روشن خیالات، حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ بہت زیادہ پسند آئے۔ سب کہانیاں بہت ہی زبردست اور سبق آموز تھیں۔ اجنبی مہربان اور اچھا سودا دونوں خوب تھیں۔ گلاب خان سولنگی کی کہانی چھوٹا بڑا نہایت ہی سبق آموز تحریر تھی اور دوسروں کے ساتھ اچھائی کرنے کی ترغیب دینے والی کہانی تھی۔ آئیے مصوری سیکھیں، نونہال خبرنامہ اور ہنسی گھر کے لطائف بہت لاجواب اور عمدہ تھے۔ یہ تمام سلسلے بہترین سلسلے ہیں۔ کیا میں اپنی کہانی بھیج سکتا ہوں؟ **ثقلین عباس، کوٹ اسلام۔**

> ضرور بھیجیں، معیاری ہوئی تو شائع ہوگی۔

● جاگو جگاؤ میں رمضان المبارک کی فضیلت کو اجاگر کیا گیا۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال اپنی مثال آپ تھے۔ روشن خیالات روشنی کا مینار تھے۔ شریف شیوہ کی "حمدِ باری تعالیٰ" اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کا اظہار کر رہی تھی۔ کہانیوں میں انصاف پسند چور، نامعلوم مہربان اور بیس سال بعد بہت ہی سبق آموز تھیں۔ نظموں میں، آیا ہے رمضان، یہ گلستاں ہمارا ہے اور وہ بچہ سب سے اچھا ہے بہت ہی شان دار تھیں۔ بلاعنوان کہانی تجسس سے بھرپور تھی۔ "ایک عظیم سائنس داں" میں برکاتی صاحب نے نیوٹن کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔ **پرنس راجا ثاقب محمود جنجوعہ، عائشہ رانی، مجیبہ صدف، ثانیہ فرخ، پنڈ دادن خان۔**

● کہانیوں میں دوست بنے دشمن، خود غرض لومڑی اور آخری سبق ہمارے دل جیتنے میں کام یاب رہیں۔ ثمینہ پروین کی بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا۔ معلومات ہی معلومات میں غلام حسین میمن نے ہماری معلومات میں گرانقدر اضافہ کیا۔ علم دریچے، بیت بازی اور ہنسی گھر حسبِ معمول بہت ہی پسند آئے۔ نونہال ادیب میں نعتِ رسولِ مقبولؐ اور نظم "رمضان" دل میں گھر کر گئیں۔ کہانیوں میں مقدس لطیف شاہین صاحبہ کی "سرشار اور عبدالرؤف سمرا صاحب کی "صبح کا بھولا" بہت ہی اثر انگیز تھیں۔ **راجا فرخ حیات خان، عظمت حیات جنجوعہ، نزہت جنجوعہ، زینت یاسمین، ثمینہ فرخ، شاذیہ فرخ، ماہا مختار، پنڈ دادن خان۔**

☆

جوابات معلومات افزا - ۲۵۸

سوالات جون ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئے تھے

جون ۲۰۱۷ء میں معلومات افزا - ۲۵۷ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت لوطؑ سدوم نامی علاقے کے لوگوں کی ہدایت کے لیے معبوث ہوئے تھے۔
۲۔ غزوہ احد میں ۷۰ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔
۳۔ مشہور سفرنامہ حج "لبیک" مشہور ادیب ممتاز مفتی کی تصنیف ہے۔
۴۔ ۱۷- اپریل ۱۹۴۶ء کو شام نے فرانس سے آزادی حاصل کی۔
۵۔ مشرق کا سوئٹزرلینڈ پاکستانی علاقے سوات کو کہا جاتا ہے۔
۶۔ پاکستان میں جب دوپہر کے بارہ بجتے ہیں تو چین میں سہ پہر کے تین بجے کا وقت ہوتا ہے۔
۷۔ بھوٹان کی کرنسی نگلٹرم کہلاتی ہے۔
۸۔ ریشم کے کیڑے کا تعلق شہتوت کے درخت سے ہے۔
۹۔ انسانی غذا میں موجود وٹامن (VITAMIN) کو اردو میں حیاتین کہتے ہیں۔
۱۰۔ سیاہ رنگ میں سرخ رنگ ملانے سے بھورا رنگ بنے گا۔
۱۱۔ ۱۸- مئی ۱۹۴۸ء کو قیامِ پاکستان کے بعد پہلی نہر کھودی گئی تھی جو بی آر بی کے نام سے مشہور ہے۔
۱۲۔ مشہور ناول "آگ کا دریا" کو اردو کا سب سے بڑا اور عظیم ناول قرار دیا گیا ہے۔
۱۳۔ مشہور شاعر سرور بارہ بنکوی کا اصل نام سید سعید الرحمان تھا۔
۱۴۔ ٹریپولی (طرابلس) لیبیا کا دارالحکومت ہے۔
۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: "آ بیل مجھے مار"
۱۶۔ علامہ اقبال کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: شاہ محمد ازہر عالم، محمد ابراہیم فاروق، عروبہ امین، سارہ شہزاد، کنول فاطمہ زیدی، اقرا شہزاد ☆ راولپنڈی: کائنات فاروقی ☆ کہروڑ پکا: محمد ارسلان رضا ☆ حیدرآباد: عریشہ عروج مغل ☆ کوٹلی: زرفشاں بابر ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ محراب پور: عثمان رؤف ☆ جھنگ: ناہید یاسمین ☆ وہاڑی: مومنہ ابوجی ☆ پشاور: عبدالمعز اسلم خان۔

۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: محمد صہیب علی، سعد بن ضیا، ارسلان احمد ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ، ملک محمد احسن، محمد ارسلان ساجد ☆ حیدرآباد: سیدہ نسرین فاطمہ ☆ بہاول پور: محمد فراز اختر ☆ چکوال: محمد فاروق کھرل ☆ مری: اُسامہ ظفر راجا ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ لاہور: عشرت جہاں ☆ میرپور خاص: عائشہ مہک ☆ جڑانوالہ: محمد سعد بلوچ ☆ واہ کینٹ: روحابہ ندیم ☆ گوجرانوالہ: سمیع اللہ قدیر ☆ کالا گجراں: محمد افضل ☆ ہری پور ہزارہ: زینب حسین ☆ کبیروالا: محمد عمر اشرف آرائیں ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: کومل فاطمہ اللہ بخش، محمد تمیم بلال، حماد حسن، احسن محمد اشرف، بہادر، محسن محمد اشرف، حنظلہ احمد صدیقی، علینا اختر، اریبہ غلام محمد، سید یشل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ مریم محبوب، سید نوفل علی محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، جویریہ جمال ☆ ملتان: ربیعہ نعیم، عتیقہ محمد اصغر ☆ سرگودھا: عبید الرحمٰن، فرحان ظفر ☆ بے نظیر آباد: فروا سعید خانزادہ ☆ حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ

☆ راولپنڈی: فاطمہ سحر شفیق ☆ منگووال: تحریم نور ☆ کرک: فاضر زمان ☆ رحیم یار خان: مشال شہزاد ☆ لاہور: ملک محمد صمیم شاہد ☆ چکوال: شاہ محمد احسن ☆ شکرگڑھ: محمد محی الدین کلیم ☆ پشاور: محمد حیان۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: کامران گل آفریدی، عاصم قریشی، ایاز حیات، محمد شاہد خان، محمد جلال الدین اسد خان، فضل سلیمان خان، حسن علی، محمد معین الدین غوری، محمد اختر حیات، محمد اویس، محمد زبیر، اعجاز حیات، عبدالتواب، محمد وقاص، نائمہ تحریم، مسکان فاطمہ، ماہ نور شمیم ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ سکھر: زین علی، محمد عشرت عبدالباری ☆ راولپنڈی: ماورا فیاض ☆ لاہور: امتیاز علی ناز ☆ ٹنڈو جام: عروج فاطمہ ☆ حیدرآباد: ربیعہ زاہد، طٰہٰ یاسین ☆ پنڈ داد خان: ملک محمد طفیل ☆ گھوٹکی: دانش اقبال خان ☆ تلہ گنگ: محمد واسل منعام ☆ اسلام آباد: محمد حمزہ۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ بہاول نگر: محمد فرحان اشرف ☆ چشتیاں: عبدالغفار ☆ حیدرآباد: جواد احمد شہاب ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ پنڈ دادن خان: راجا ثاقب محمود جنجوعہ۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ کراچی: سندس آسیہ، رقیہ خان نیازی ☆ اٹک شہر: مسفلہ آصف ☆ مظفر آباد: عدن زاہد اکرم ☆ سرگودھا: راجا مصطفیٰ خورشید علی۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆ کراچی: محمد زایان خان، نور حیات، معیز الدین ☆ بھیرہ: رانا محمد زین الحسن ☆ ڈیرہ غازی خان: محمد اسد سمیع ☆ واہ کینٹ: غُینہ سجاد۔ ☆

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا فری چیک اپ کر کے فری دوائیاں دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درج ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں:

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جون ۲۰۱۷ء میں محترمہ ثمینہ پروین کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اور مونچھ کٹ گئی : سیدہ جویریہ جاوید، کراچی

۲۔ قصہ ایک مونچھ کا : محمد فراز اختر، بہاول پور

۳۔ وقار کا سودا : سلمان یوسف سمجھ، علی پور

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

انوکھا سودا۔ مونچھیں برائے فروخت۔ مونچھوں کا سودا۔ گھاٹے کا سودا۔ احمق کون؟ پُر وقار مونچھیں۔ ہائے میری مونچھیں۔ مونچھ بنی وبال۔ پرائی مونچھ۔ مونچھوں کا سوداگر

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: محمد زایان خان، کومل فاطمہ اللہ بخش، مریم بنت علی، کامران گل آفریدی، محمد وقاص، عاصم قریشی، محمد معین الدین غوری، محمد جلال الدین اسد خان، فضل سلیمان خان، احسن محمد اشرف، حسن علی، محمد شاہد خان، ایاز حیات، نور حیات، بہادر، احتشام شاہ فیصل، عبدالتواب، اعجاز حیات، محمد زبیر، محمد اویس، محسن محمد اشرف، محمد اختر حیات، وریشہ محمد عظیم صدیقی، محمد وجاہت عالم، محمد اشبل عاصم خان، اریبہ افروز، اذفرین حسین، وریشا آصف،

محمد بلال صدیقی، اقرا شہزاد، صبا عبدالغنی، شاہ بشریٰ عالم، وانیہ جمال، محمد ابراہیم فاروق، سارہ شہزاد، عروبہ امین، حنظلہ احمد صدیقی، علینا اختر، ردا بشیر، نرجس فاطمہ، سدرہ فوزیہ کنول، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، سید صفوان علی جاوید، سید باذل علی اظہر، سید یشل علی اظہر، ماہ نور شمیم، طوبیٰ بنتِ عبدالرؤف قریشی، عیشہ عظیم، ایمن شیخ، جویریہ جمال، لائبہ کمال، سیدہ تسبیح محفوظ علی ☆ **لاہور:** فلزہ وحید ☆ **حیدرآباد:** جواد احمد شہاب ☆ **کہروڑپکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **سرگودھا:** غلام بتول زاہد خورشید ☆ **بے نظیر آباد:** فروا سعید خانزادہ ☆ **پنڈ دادن خان:** سعدیہ کیانی ☆ **فورملی:** محمد ابو ہریرہ ☆ **رحیم یار خان:** مریم مصطفیٰ ☆ **کوٹلی:** محمد جواد چغتائی ☆ **سکھر:** سمیہ وسیم ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **حیدرآباد:** ارسلان اللہ خان، عریشہ عروج مغل، سمیرا نیاز صدیقی، عروج، ربعہ زاہد، زرشت نعیم راؤ، حیان مرزا، فلک بنتِ ندیم، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **ڈیرہ غازی خان:** عفت سراج، محمد تاثیر، محمد اسد سمیع ☆ **مظفر آباد:** عدن زاہد اکرم، اصبح احمد ☆ **لاہور:** عشرت جہاں، امتیاز علی ناز، ملک محمد صمیم شاہد ☆ **میرپورخاص:** فیروزا احمد، جہاں زیب علی ☆ **راولپنڈی:** ملک محمد احسن، محمد سلمان، کائنات فاروقی، ہانیہ نور بٹ، فاطمہ سحر شفیق ☆ **اسلام آباد:** محمد حمزہ ذاکر، ماریہ شمس ☆ **اٹک:** معز حسن ☆ **تلہ گنگ:** محمد حسان عبداللہ، محمد واصل منغام ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف ☆ **ملتان:** عتیقہ محمد اصغر، ربیعہ نعیم ☆ **محراب پور:** عثمان رؤف ☆ **چکوال:** محمد فاروق کھرل ☆ **بھیرہ:** رانا محمد ثناء اللہ ☆ **اپرٹوپہ:** اُسامہ ظفر راجا ☆ **میانوالی:** اُمِ ایمن ☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ☆ **تیمرگرہ:** محمد احمد غزنوی

☆ **واہ کینٹ:** عُیینہ ☆ **شکرگڑھ:** عمر کمال، ہدیٰ خالد ☆ **چشتیاں:** عبدالغفار ☆ **گھوٹکی:** آغا دانش اقبال خان ☆ **جھنگ:** محمد اعتصام حسن ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو جی ☆ **قلعہ دیدار سنگھ:** سمیع اللہ قدیر ☆ **فیصل آباد:** احمد سراج ہاشمی ☆ **منگووال:** تحریم نور ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **قصور:** فاطمہ عبدالسلام ☆ **سکھر:** عفت عبدالباری ☆ **اٹک شہر:** محمد عبداللہ آصف ☆ **ہری پور ہزارہ:** زینب حسینی ☆ **رحیم یار خان:** مشال شہزاد ☆ **کبیر والا:** محمد علی اشرف آرائیں ☆ **بہاول پور:** محمد شماس حسین ☆ **ہارون آباد:** محمد فرحان اشرف ☆ **ڈھینڈھ:** حلیمہ صابر اعوان۔

☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی ◆ بامقصد نہیں تھی ◆ طویل تھی ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔
◆ پنسل سے لکھی تھی ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی ◆ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔
◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔
◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔
◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ "کیا یہ چھپ جائے گی؟" ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کے باری جلد آتی ہے ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے، بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے ◆ قول بہت مشکل نہ ہو ◆ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اُڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو ◆ نونہال بلاعنوان یا قسط وار کہانی نہ بھیجیں ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے، تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے ◆ کتاب وغیرہ منگوانے کے لیے شعبہ مطبوعات ہمدرد کو علاحدہ خط لکھیں ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابلِ اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے اور ہر کوپن الگ کاغذ پر چپکائیں ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

نونہال لغت

مذنب	مُ ذْ نِ ب	گناہ گار۔ گناہ کرنے والا (جمع مذنبین)
کھیس	کھَے س	ایک قسم کا موٹا سوتی کپڑا، جو اوڑھنے اور بچھونے کے کام آتا ہے۔
خیرہ	خِی رَ ہ	تاریک۔ اندھیرا۔ بے باک۔ شوخ۔ حیران۔ پریشان۔ چکا چوند۔
فاش	فَا ش	ظاہر۔ کھلی۔ آشکار۔ صریح۔
عرشِ معلّٰی	عَ رْ شے مُ عَلْ لَا	اعلا و ارفع عرش۔ فلک الافلاک۔ عرشِ اعظم۔
محاصرہ	مُ حَا صَ رَ ہ	گھیرا ڈالنا۔ چاروں طرف سے بند کر دینا۔ قلعہ بندی۔
کشیدہ	کَ شِی دَ ہ	کھینچا ہوا۔ رنجیدہ۔ ملول۔ سوئی کا کام۔ زردوزی۔
اردلی	اَ رْ دَ لِی	حکام کے احکام پہنچانے والا نوکر۔ خاص ماتحت۔ سواری کے ساتھ رہنے والا سپاہی۔ چپڑاسی۔
حرمت	حُ رْ مَ ت	عزت۔ آبرو۔ عظمت۔ حرام ہونا۔
افاقہ	اِ فَا قَہ	بیماری یا تکلیف میں کمی۔ مرض میں کمی۔ صحت۔ آرام۔ شفا۔
واردات	وَا رِ دَا ت	وہ حال جو آدمی پر گزرے۔ بیتی ہوئی۔ پیش آئی ہوئی۔ سانحہ۔ حادثہ۔ واقعہ۔ وقوعہ۔ دنگا فساد۔ ہنگامہ۔
ترنم	تَ رَنْ نُ م	گانا۔ گنگنانا۔ الاپنا۔ غنا۔
بلبلانا	بِ لْ بِلَا نَا	بے تاب ہونا۔ تڑپنا۔ بے قراری سے رونا۔ چلانا۔ درد سے بلکنا۔
دھن	دُھن	راگ کا انداز۔ لے۔ طرز۔ دھیان۔ خیال۔ عادت۔ لت۔ لگن۔
نڈھال	نِ ڈَ ھَا ل	تھکا ہوا۔ مضمحل۔ ناتواں۔ بے حس و حرکت۔ سست۔